خط حضرت حجۃ العلماء

سلمان ندوی

کلکتہ ۸ شوال

۱۱ تاریخ 19-47

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا، ووفقنا لادراک ما کان فاتنا، فنلم بہ شتاتنا
ونندم بہ سیاتنا، ونعرف ھداتنا، والصلوۃ والسلام علی النبی الامی الذی بعث فی الامیین
لیعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم ویھدیھم ومن داء الجھل لیشفیھم، ومن غلیل الصدی
یرویھم، وعلی آلہ واصحابہ قنادیل الصوی، ومنابر الھدی، والذی اتبعھم واھتدی،

یا معشر الذین اختصھم اللہ لخشیتہ، واصطفاھم للتفقہ فی دینہ، لیامروا بالمعروف
وینھوا عن المنکر اذا رجعوا الی قومھم، فینبھوھم من نومھم،

آج آپ صاحبوں نے مجھے جو شرف عطا کیا ہے، اور اپنے اعتماد کی جس دولت سے مالا مال کیا ہے، میں
اس ذرہ نوازی کے لئے ممنونیت کے رسمی الفاظ پر اکتفا نہیں کرنا چاہتا، بلکہ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ میں
اس قدر افزائی اور سرفرازی کو اس دنیا کی بہترین نعمت اور آخرت کی بہترین دولت تصور کرتا ہوں ۱۳۴۳ھ
کے اجلاس خاص مراد آباد کے موقع پر بھی مجھے یہ عزت عطا ہوئی تھی مگر عین وقت پر وفد جدہ کی شرکت نے انکار پر مجبور
کیا، اور میں خوش ہوں کہ اس کی بدولت ایک خاموش ہستی بولی اور ایک بے زبان کارکن نے زباندانی کے
جوہر دکھائے، اور ایک ہمہ تن سوز و گداز نے کاغذ کے صفحوں پر اپنے دل کے ٹکڑے اہل ملت کے سامنے رکھدیئے،
میں سمجھتا ہوں کہ مراد آباد کی میری نامرادی میں کلکتہ کی کامیابی کا راز پنہاں تھا، کیونکہ یہ میرے نوشتۂ تقدیر
میں کلکتہ سے کوئی مناسبت رکھی گئی ہے، کہ علمائے کرام کے طبقۂ مبارکہ کی طرف سے میری شرف افزائی کے لئے
کلکتہ ہی کی سرزمین موزوں و مناسب تصور کی گئی ہے، آج سے نو برس پیشتر ۲۵-۲۶ر دسمبر ۱۹۱۷ء میں جنگ عظیم
کے ہولناک نتائج کے انجام عہد میں جمعیت علمائے بنگالہ کی صدارت کا فخر مجھے یہیں حاصل ہوا تھا، اور آج پھر اسی

وسیع تر حلقۂ علماء کی طرف سے وہیں مجھے دوبارہ یہ مکرمت عطا کی جارہی ہے،

حضرات! جمعیۃ العلماء کی صدارت حقیقت میں وہ بڑی سے بڑی عزت ہے جو اس طبقۂ کرام کی طرف اس کے کسی فرد کو بخشی جائے، مجھے اپنے ذاتی تجربوں اور مشاہدوں کی بنا پر یقین ہے، اور دلائل بھی اس کی تائید میں ہیں کہ کہ تمام اسلامی ملکوں میں اس وقت ہندوستان ہی ایک مرکز ہے، جو اپنی دینی و مذہبی جد و جہد میں سرگرم عمل ہے، اور اسی نسبت سے علمائے ہندوستان مبارکباد اور تہنیت کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنے فرض کو پہچانا، اور اس کے انجام دینے کے لئے ساعی اور کوشاں ہیں، اور لوگ تو یورپ کے اس مادی استیلاء کے روکنے میں مصروف ہیں، جو یورپ کی تیغ و تفنگ کی قوت سے پھیل رہا ہے، اور جس سے اسلامی سلطنتیں زیر و زبر ہو رہی ہیں مگر بہت کم نگاہیں ہیں جو یورپ کے اس معنوی استیلاء کو دیکھ سکیں جو یورپ کے تمدن، یورپ کے ناقص خیالات یورپ کے فاسد نظریئے مسلمانوں کے قلوب کی سلطنتوں کو درہم و برہم کر رہے ہیں، ہم کو اس وقت اسلامی ملکوں کی دو ہی قسمیں نظر آرہی ہیں، ایک وہ ہیں جو اب تک قدامت اور جہالت کی تاریکی میں ہیں جیسے چین، کاشغر، افریقہ اور جزائر ہند کے بعض حصوں کے مسلمان، دوسری وہ جو گو یورپ کے ظاہری استیلاء کے روکنے میں تو صد درجہ کوشاں ہیں، مگر اس کے معنوی استیلاء کو وہ خوشی کے ساتھ خود قبول کر رہے ہیں، اور اس کو وہ اپنی نجات کا ذریعہ جانتے ہیں جیسا کہ ہم کو اس وقت ٹرکی، مصر، شام اور ٹیونس میں نظر آرہا ہے، اس کا سبب یہی ہے کہ ان ملکوں میں گو دنیا بدل گئی، تعلیم کا رخ بدل گیا، خیالات میں انقلاب ہو گیا، مگر وہاں کے علماء نے اپنی قدامت اور جمود کو نہ چھوڑا، اور نہ انھوں نے اپنے گوشوں اور حجروں سے نکل کر دنیا کے حالات پر نظر ڈالی اور نہ ماحول کو سمجھا، اور نہ اس کے سدباب کی تیاری کی، اس طرح ایک طرف تو جدید تعلیم اور جدید خیالات نے ان کو پس پشت ڈال دیا، اصلاحات اور تجددات سے وہ ناآشنا رہے، بلکہ ان کے روکنے کی کوشش کی، ہر اصلاح اور تجدید کو اپنی تنگ نظری سے اپنے مالوف خیالات کی مخالفت کے باعث کفر و الحاد سمجھے نتیجہ یہ ہوا کہ خود ان کے ملک کے جدید التعلیم ارباب فکر نے ان کو اپنا دشمن سمجھ کر ان کے مٹانے کی کوشش کی، ملک

سے ان کے اثر و اقتدار کے توڑنے کی فکر کی، اور اب تک یہی کشمکش جاری ہے، یورپ سے متاثر طبقۂ اسلام خود ان کے وجود کو اسلام کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے، اور اس ملک کے علماء اس طبقہ کو مذہب کیلئے سب سے زیادہ عنصر فاسد یقین کرتا ہے، نتیجہ جنگ ہے، اور بربادی! اس وقت دنیائے اسلام کا کون سا حصہ ہے جہاں قدامت و تجدد کی جنگ جاری نہیں، تمام دنیائے اسلام پر نظر ڈال جاؤ اسلام کا جدید طبقہ پوری سرگرمی کے ساتھ یورپ کے ظاہری استیلاء اور سیاسی قوت سے دوچار نظر آئیگا، اور یہی چیزیں ہیں جو ہم کو ٹرکی میں مصطفی کمال کی صورت میں، ایران میں رضا شاہ پہلوی کے پیکر میں، مصر میں زغلول پاشا کے قالب میں، مراکش میں امیر محمد بن عبد الکریم کی شکل میں، اور شام میں سلطان اطرش کی ہیئت میں ہم کو نظر آتی ہیں، کیا دنیائے اسلام کے یہ تمام خطے، اسلام کے معنوی نمایندوں یعنی علمائے کرام کے وجود سے یکسر خالی ہیں، کیوں انکے کارناموں کے آوازے ہمارے کانوں تک نہیں پہونچتے؟ کیا اگر ٹرکی میں چند علماء بھی ایسے ہوتے جو دین و دنیا کی اس کشمکش میں سفینۂ اسلام کی ناخدائی کرسکتے تو انقلاب کی یہ نیرنگی نظر آسکتی تھی،

دین و دنیا بہم آمیز کہ اکسیر بود ، ایکہ پرسی کہ دریں کار چہ تدبیر بود

ایہا السادہ! یہی واقعہ ہے جو مجھکو علمائے ہند کی خدمت میں تہنیت و مبارکباد پیش کرنے کے لئے آمادہ کرتا ہے، علمائے ہند نے اُسی وقت سے جب سے یورپ کے خیالات و تاثیرات نے اس ملک میں انقلاب پیدا کرنا شروع کیا، انھوں نے اپنے فرض کو پہچانا، دیوبند میں آج سے ساٹھ سال پہلے چند روشن ضمیر مخلصین ملت نے ایک خالص دینی مرکز کی بنیاد رکھی، کہ ملت بیضاء کی حفاظت ہو، آج سے تیس برس پہلے چند عاقبت بیں اور معاملہ فہم علماء نے ندوۃ العلماء کی تاسیس کی، کہ آیندہ اسلام کو جس قسم کے خدمت گذاروں کی ضرورت پیش آئیگی اس کے لئے قبل از وقت تیاری ہو، اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں جدید و قدیم تعلیم، نئے اور پرانے خیالات، جمود و تطرف کے بیچ میں صراط مستقیم قائم ہوگئی، اور پٹنہ کے اجلاس ندوۃ العلماء میں یہ موقع پیش آیا کہ طربوش ترکی ٹوپی، و دستار میں مصالحت ہوگئی، اور حافظ کا یہ شعر زبانوں پر آیا، ؎

صد الحمد میان من و او صلح فتاد — حوریاں رقص کناں نعرہ مستانہ زدند

آج ہمارے درمیان جو چند مصلحت شناس، دانائے حال، اور اصلاح کوش علماء کا وجود ہے، اور چند ایسی مخلص الایمان، جان نثار اسلام، اور دینی عقیدت سے سرمست تعلیمیافتہ ہستیاں ہیں، وہ اسی مصالحت و مواخاۃ کے خوش گوار نتائج ہیں،

حضرات! اس موقع پر اس برگزیدہ ہستی کو بھی یاد کر لینا چاہئے جس نے عقد مواخاۃ میں خاصہ حصہ لیا، یعنی مولانا **عبدالباری** مرحوم فرنگی محلی، جو جنگ بلقان و ہنگامہ کانپور سے لیکر اخیر تک سرگرم عمل رہے، مرحوم کی مخلصانہ خدمات خود اس جمعیۃ العلماء کی بنا و تاسیس میں بھی ایک حد تک شریک ہیں اس وقت ہمارے طبقہ سے، ایک ایسا ضروری عنصر ہمیشہ کے لئے الگ ہو گیا جس کی کمی مدتوں تک محسوس کی جائیگی، اللھم امطر علیہ شآبیب رحمتک وافتح علیہ ابواب فضلک،

ہندوستان مجلس خلافت اور جمعیۃ العلماء کی ایسی تحریکین لے کر اٹھا ہے جنھوں نے تمام دنیائے اسلام میں اس کے جوش عمل صحت رائے اور خدمت دین کے ولولوں کی ساکھ قائم کر دی ہے، اور غلام ہندوستان سے بڑے بڑے آزاد اسلامی ممالک سے زیادہ مسلمانوں کی توقعات قائم ہیں کہ ہندوستان وہ ملک ہے جہاں سات کروڑ کلمہ گو انسانوں کا مجمع ہے، یہ وہ تعداد ہے جو دنیا کے کسی اور ملک کو نصیب نہیں، اس لئے ان سات کروڑ انسانوں کی بیداری اور احساس دنیائے اسلام کے مستقبل کا سب سے خوشگوار پہلو ہے،

اسلامی ہندوستان کے پیش نظر دین و دنیا کی جامعیت، یا مادہ و روح کی مصالحت، یا حقیقت اسلامیہ کے ساتھ تمدن جدید کے مفید پہلوؤں کے درمیان اعتدال پیدا کرنے کی کوششیں ہیں، اگر اس منجملہ کو دنیائے اسلام کے کسی اور ملک نے سمجھا ہے تو وہ **افغانستان** ہے، امیر روشن ضمیر افغانستان نے اسلام کی رسم اوّلین خطبۂ امامت کو زندہ کر کے مسلمان اولوالامر کے لئے دین و سیاست کی آمیزش کی صحیح سنت قائم

کی ہے، امیر موصوف اپنے جمعہ وعیدین کے خطبوں میں اپنی ملت کے سامنے اسلامیت اور قومیت کے درست وصحیح عقائد کی تلقین کر رہے ہیں، جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام خیر الجزاء،

حضرات! اس وقت اسلام کے سامنے جو خطرات اور عوائق پیش ہیں وہ خلافت و لامرکزیت دین وسیاست، اور اخوۃ اسلامیہ اور عصبیہ قومیہ کے درمیان غلط فہمی نا عاقبت اندیشی، اور عدم تعمق کے سبب سے تصادم اور آویزش ہے، میں نے اپنے خیالات اس باب میں مفصل عرض کئے ہیں اس موقع پر انھیں کا اعادہ کافی ہے،

عالم اسلامی کی تنظیم کا مسئلہ اور مسلمانوں کا انتشار خیال

مسلمانوں کے روز افزوں انحطاط، پراگندگی، اور انتشار کا سلسلہ صدیوں سے قائم تھا، مگر چونکہ دولت عثمانیہ کا سایہ بہت حد تک دنیا کے مسلمانوں کی تشفی کا باعث تھا، اور خالص اسلامی ممالک ایک زنجیر میں گو وہ کسی قدر کمزور ہو وابستہ نظر آتے تھے اس لئے عام مسلمانوں کو اپنی اس کمزوری اور ضعف کا احساس نہ تھا، اور وہ اپنے کو ایک رشتہ میں منسلک سمجھتے تھے، اس جنگ عظیم کی بدولت اس سایہ کا ہٹنا اور اس زنجیر کا ٹوٹنا تھا کہ اس فریب کی حقیقت واضح ہو گئی، اور معلوم ہو گیا کہ مسلمان ایک بڑے دھوکے میں مبتلا تھے، ٹرکی کے انقلاب اور جمہوریت کے قیام اور لفظی خلافت کے عزل نے اس دھوکے کا دھوکا ہونا اس طرح آشکارا کر دیا کہ کسی سمجھدار مسلمان کو اس میں شک نہیں رہا،

اب روے زمین کے کسی مسلمان کو اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی کا قصہ خواب وخیال ہے، اور انکی باہمی وابستگی ہم رشتگی، اور جامعیت کا وجود سراب سے بھی زیادہ بے حقیقت ہے، اسی کے ساتھ اس کا بھی سب کو یقین ہے کہ اسلام کی فطرت مقتضی ہے، کہ اس رشتہ کا وجود قائم اور اسلامی برادری واخوت کی شیرازہ بندی باقی رہے، مذہبی ہدایتوں کے علاوہ دنیاوی سیاستوں اور مصلحتوں کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مسلمان قوموں کو بحیثیت مسلمان کے دنیا کی قوموں کے سامنے زندہ اور باقی رہنے کیلئے

مسلمانوں کا متحدہ محاذ اور ان کی برادرانہ جمعیت قائم رہے،

اسلام کا اصول اس کا بھی مقتضی ہے کہ تمام دنیائے اسلام میں مسلمانوں کا ایک مذہبی پیشوا اور امام ہو، اس کا واحد وجود تمام دنیا کی مسلمان قوموں کے لئے رشتۂ اتحاد اور رابطۂ وحدت کا کام دے، اور مذہبی شعار و احکام کی نگہداشت اور اجراء کا فرض انجام دے، اس کا نام خواہ تم خلیفہ رکھو، امام رکھو، یا امیر المومنین رکھو، اس حقیقت سے کون بے خبر انکار کر سکتا ہے، کہ یہ خلافت و امامت اپنے اصلی منہاج اور شرائط و آداب سے بہت جلد ہٹ گئی، تاہم بغداد کی تباہی تک کچھ نہ کچھ اس کی حیثیت تھی، اور قاہرہ میں جا کر اسکی حیثیت گو خود دار الخلافہ میں کچھ نہ رہی، تاہم دور دراز کے اسلامی ملکوں میں خلیفۂ عباسی کی یہ مصری خانقاہ بھی عقیدت عامہ کا مرکز تھی، ان گذشتہ چند صدیوں میں جب دولت عثمانیہ کے سوا کوئی آزاد اسلامی حکومت باقی نہیں رہی تو لامحالہ یہ عقیدت کی کشش، قاہرہ سے قسطنطنیہ کو منتقل ہو گئی، کون نہیں جانتا کہ اسلام وہ مذہب ہے جو مذہب اور سلطنت ساتھ ساتھ بنا، اس کا امام ہی اس کا بادشاہ تھا، اس کی ایک ہی عبادت گاہ کی چہار دیواری اسکی مسجد بھی تھی اور اس کی عدالت گاہ اور دربار بھی، اسکی ایک ہی چند زینوں کی لکڑی اسکا منبر بھی تھا، اور تخت حکومت بھی، اس کے وہی جاں نثار اس کے داعی اور مبلغ بھی تھے، اور مجاہد اور سپاہی بھی، اس کے وہی عہدہ دار حکام اور امراء بھی تھے، اور قاضی، اور امام بھی، اس دینی اور دنیوی اقتدار و تنظیم کی وحدت کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کی دینی و دنیوی تنظیم کے الگ الگ عہدے اور دائرے نہ تھے، اس بنا پر یہ بالکل ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی تنظیم، انکی سیاسی تنظیم سے الگ کوئی شئی نہ تھی، ایسی حالت میں مسلمانوں کی سیاسی تباہی ان کی مذہبی بے ترتیبی کے ہم معنی ہے جب کسی ملک میں مسلمانوں کی سلطنت نہ رہی، انکی ہر قسم کی تنظیم بھی رخصت ہو گئی، نہ کوئی ان کا امام رہا نہ کوئی مذہبی صیغہ رہا، نہ اوقاف کا انتظام رہا، نہ مسجدوں کی نگرانی رہی نہ مدرسوں کی دیکھ بھال رہی، نہ تبلیغ و اشاعت کا سامان رہا، نہ مسلمانوں کے مذہبی مقدمات اور فیصلوں کی کوئی صورت رہی، نسل آدمؑ اور اولاد ابراہیمؑ کی یہ منظم باقاعدہ

صف جانوروں کے گلّے بن گئی،

جن ملکوں میں اچھی یا بری اسلامی حکومتیں قائم ہیں، یورپ کے دیکھا دیکھی وہاں کے ذمہ دار ارکان سیاست اور ارباب فکر میں یہ خیال قائم ہوتا جاتا ہے کہ دینی و دنیاوی طاقتوں کی یکجائی، اور مذہبی و سیاسی تنظیموں کی وحدت ان کی ترقی کی راہ میں حائل ہے، یہی خیال ہے جس نے ٹرکی کے مجاہد اعظم مصطفےٰ کمال اور اور ان کے رفقائے کار کو عزل خلافت پر آمادہ کر دیا، اور اسی کی نقل اور آواز بازگشت دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی سنائی دیتی ہے،

یورپ کو جب سے ہوش آیا ہے، اور سمجھا ہے کہ **اتحاد اسلامی** ہی کی قوت ہے جو اس کی طاقت کا مقابلہ کر سکتی ہے، مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ کر سکتی ہے، اور ان کو دوبارہ مضبوط اور زندہ بنا سکتی ہے اور اس اتحاد اسلامی کی بنیاد **خلافت** کا وجود ہے، مختلف طریقوں سے اس کی قوت کو توڑنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، یورپ کے تیغ زن سپاہیوں نے اپنی تلواروں سے اور مصنفین نے اپنے قلم سے اس کے مٹانے کی پوری کوشش کی، یونان و روم کی جنگ پہلا موقع ہے جب یورپین طاقتوں کی متفقہ خواہش کے خلاف دنیائے اسلام میں "خلیفۂ عثمانی" کی ہمدردی و مالی اعانت کے غیر معمولی جذبات نے یورپ کے کانوں میں خطرہ کی گھنٹی بجا کر اس کو متنبہ کر دیا،

بعض یورپین اہل قلم نے یہ کیا کہ خلافت اسلامیہ کو اصول اسلام کی حیثیت سے تو تسلیم کر لیا مگر مجدد اسلام بنکر انھوں نے پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کو انکی ایک عظیم الشان غلطی پر متنبہ کیا کہ الائمۃ من قریش، ترک اس کے مستحق نہیں، ان کو مٹا کر مکہ معظمہ کی چہار دیواری میں عربی ہاشمی خلافت قائم کرو، اس جماعت کے سرگروہ مشہور ہمدرد اسلام بلنٹ تھے، دوسروں نے ترکوں کے شرعی خلیفہ ہونے سے بحیثیت مفتیِ اسلام کے انکار کیا، یہ سب کچھ ہو رہا تھا، اور ہم کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے،

اس جنگ عظیم میں منصب خلافت کی اہمیت کم کرنے بلکہ اس کے مٹا دینے کی سب سے زیادہ

ضرورت پیش آئی، وفد خلافت کی حیثیت سے جس ہفتہ ہم انگلستان پہونچے ہیں، سب سے پہلے ایک اطالین مستشرق کا جو روما یونیورسٹی میں تاریخ اسلام کے پروفیسر تھے رسالہ "دی نیچر آف دی خلافت" کا انگریزی خلاصہ نظر سے گذرا اور جسکو اٹلی کی حکومت میں یہ اہتمام حاصل تھا کہ اٹلی کی وزارت خارجہ نے اسکو اپنی طرف سے شایع کیا، اور اس کے بعد "سلطان اینڈ اے کیلف" کا دوسرا مشککانہ مضمون ایک انگریزی اہل قلم نے لکھا، اس کے بعد تیسرا مضمون پروفیسر مارگولیوتھ نے اوبزرور لندن میں مسئلہ خلافت کی تاریخی کمزوری پر لکھا،

ہندوستان میں خلافت کی تحریک نے جو زور شور اور ہلچل پیدا کی، اسکی سیاسی اہمیت نے یورپ کو اور زیادہ ڈرا دیا تلوار کا وقت نکل چکا تھا، اس لئے سپاہیوں نے ہٹکر اہل قلم حضرات کے لئے جگہ خالی کر دی اور انھوں نے اس وقت سے برابر مسئلہ خلافت کی تحقیق و کاوش، اسکی شکست اور ریخت، یورپ سے متاثر دماغوں میں اسکی مذہبی نامعتبری، تاریخی کم اہمیتی اور اس کے سیاسی نقصانات، اور تمدنی خرابیاں اس طرح آشکار کیں کہ خود مسلمانوں میں سے اُن بعض افراد کو اس کا یقین آنے لگا جو یورپ کے مصنفین کو بنہایت معصوم، مخلص اور ہر قسم کی سیاسیات سے بلند جانتے ہیں،

قاصد رقیب بودہ و من غافل از فریب

بیدرد مدعائے خود اندر میانہ ساخت

نتیجہ یہ ہوا کہ جنکی خلافت کے لئے دنیا لڑ رہی تھی، انھیں نے خود اپنے ہاتھ سے اس کو دفن کر دیا، اور اسکو مٹا کر وہ سمجھے کہ انھوں نے اپنی قومی حکومت کے سامنے سے سارے عوائق ہٹا دئے، اور تسلیم کر لیا کہ دین و دنیا کا اختلاط اور مذہب و سیاست کی آمیزش اسلاف کی سب سے بڑی غلطی تھی جسکو انھوں نے دور کر دیا، اور یہ فعل بعینہ اصول اسلام کے مطابق ہے، ترکوں کے اس عمل نے گویا یورپین پروپگنڈے کو جو مدتوں سے خلافت کے متعلق مسلمانوں میں جاری تھا، دفعۃً کامیاب کر دیا اس پر بھی ہمارے دشمنوں کو چین نہیں آیا اور اب

ترکوں کے اس فعل کی تحسین کا پروپگنڈا جاری ہے، لندن یونیورسٹی میں مسئلہ خلافت کی تاریخی اسناد پر بحث کرنے کے لئے ہمارے مشہور پروفیسر آرنلڈ کو مقرر کیا گیا، ڈاکٹر آرنلڈ نے اس بحث پر ایک مبسوط لکچر دیا، اور گذشتہ سال ۱۹۲۴ء میں "دی خلافت" کے نام سے دو سو صفحوں میں انھوں نے اس مسئلہ کے تاریخی پہلو پر ۱۴ بابوں میں مفصل بحث کی، اس کتاب میں نہایت کاوش اور محنت سے ڈاکٹر آرنلڈ نے اس منصبِ خلافت کے آغاز سے اور اخیر ترکی عہد تک کے ہر قسم کے واقعات کو یکجا کیا ہے، اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے، کہ اس منصب کے ضروری اور اصول اسلام میں سے ہونے پر قرآن و حدیث سے کوئی استدلال موجود نہیں ہے، نیز تاریخ اسلام بھی اسکی تائید نہیں کرتی، نہ خلافت راشدہ کے بعد اس منصب کو مسلمانوں نے عملاً تسلیم کیا، اور خصوصاً ترک سلاطین تو اس حیثیت سے کبھی مسلّم ہوئے ہی نہیں،

اغیار جو کچھ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں، اس ذکر کو جانے ہی دیجئے، یہ دیکھئے کہ خود اپنوں کا اس مسئلہ کے متعلق کیا خیال ہے، اب اصل مسئلہ قابل غور یہ ہے کہ مسلمانوں کی تنظیم اور وحدت کا فرض کس طرح انجام دینا چاہیے، کہ مسلمانوں میں از سر نو طاقت و قوت اور نظام و اتحاد پیدا ہو،

ترکی میں عزلِ خلافت کے موقع پر جو تقریر کی گئی، اور اسی کے ساتھ ترکی زبان میں مسئلۂ خلافت پر جو کتاب "خلافت و حاکمیت ملیہ" لکھوا کر عام طور سے شائع کی گئی، اس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ خلافت کوئی مذہبی اور روحانی منصب نہیں، نیز خلافت کے لئے وجود شخصی ضروری نہیں، خود حکومت اور مجلسِ خلافت جمہوری ہے، اور اسی سے مسلمانوں میں تازہ قوت اور نئی طاقت پیدا ہوگی،

علمائے مصر میں سے سید رشید رضا نے الخلافۃ و الامامۃ الکبریٰ ایک خاص کتاب ۱۳۴۱ھ میں لکھکر شائع کی ہے جسمیں انھوں نے خلافت اسلامیہ کے آداب، شروط مصالح اور فوائد بتائے ہیں، اور جدید ترکی اور تعلیم یافتہ مسلمانانِ مصر و ہندوستان کو یہ بتایا ہے کہ خلافت اسلامیہ کو جدید قالب میں شرع صحیح کے اصلی مقصود کے مطابق از سر نو ملک عرب میں قائم کرنا چاہیئے، اور اسی سے دنیائے اسلام میں نئی زندگی

پیدا ہوگی، خلیفہ انتخاب سے منتخب ہو اور اس کے ساتھ ایک مجلس شوری ہو، جسکی اعانت اور مشورہ سے وہ تعلیمی، تبلیغی، تشریعی، احکام و مصالح تمام اسلامی ملکوں میں پھیلائے اور ہر اسلامی ملک میں اس کے باقاعدہ نائبین ہوں،

اس مسئلہ کے متعلق حسب ذیل اون کی تجاویز ہیں،

۱- ایک عظیم الشان اسلامی مذہبی درسگاہ کا قیام جس میں مجتہدین اور مذہبی مقننین پیدا ہوں، جو ضروریاتِ زمانہ اور اصولِ اسلام کے مطابق نئے احکام استنباط کریں، اور اسلام و تمدن میں باہمی آویزش کے بجائے آمیزش پیدا کریں،

۲- خلیفہ کا انتخاب،

۳- خلافت کے انتظامی اور مالی صیغے اور اسکی حسب ذیل ماتحت مجلسیں،

ا- مجلسِ شوریٰ،

ج- مجلس افتاء تصنیف و نگرانی مؤلفات دینی،

ب مجلس جو حکام، قاضیوں، اور مفتیوں کو احکام دے،

د مجلس جو حکومت کی عام نگرانی کرے،

ہ مجلس اشاعت اسلام،

و مجلس جو مساجد کے خطیبوں، اماموں، اور واعظوں کی نگرانی کرے،

ز مجلس زکواۃ،

ح مجلس حجاج و خدمتِ حرمین شریفین،

ط مجلسِ مراسلات،

سید رشید رضا صاحب کا میلانِ خاطر یہ معلوم ہوا ہے کہ ایک خلیفہ دینی اور دنیاوی اقتدار کے

ساتھ عرب میں قائم کیا جائے، جہاں تک اس کے عدود حکومت کا تعلق ہے، وہ خلافت کے ساتھ دنیاوی حکمرانی بھی ہو، اور دوسرے اسلامی ممالک میں اس کو صرف روحانی خلیفہ تسلیم کرکے اسکی اطاعت مذہبی احکام میں کی جائے،

مصر میں ازہری علماء مشائخ کا بھی یہی خیال ہے لیکن وہ خلافت کے مرکز کو عرب کی جگہ مصر میں دیکھنا چاہتے ہیں، اور عجب نہیں کہ ان کے دل کے اندر کی یہ خواہش ہو کہ مصر کی سلطنت پچھلے زمانہ کی طرح پھر شام و عرب پر محیط ہو جائے اور اس طرح مقامات مقدسہ کی حفاظت و حمایت کا شرف بھی مصر کو منتقل ہو جائے، اس تحریک کی تبلیغ انکی طرف سے تقریباً دو سال سے جاری ہے تمام سرکاری علماء اسمیں پوری دلچسپی لے رہے ہیں، موتمر خلافت، جامع ازہر کی دفتری عمارت میں قائم ہے، ایک ماہوار رسالہ اس مقصد کی اشاعت کے لئے جاری ہے، اور وہ تمام اسلامی ممالک میں مفت تقسیم ہوتا ہے، اس مصری تبلیغ کا اثر تمام اسلامی ممالک میں سے جاوا میں زیادہ پڑ رہا ہے،

ابھی حال میں مشہور اسلامی مبلغ اور اتحاد اسلامی کے واعظ مولوی برکت اللہ صاحب بھوپالی نے جنھوں نے اب مشرق کو چھوڑ کر پھر مغرب کو اپنا مرکز بنایا ہے، خلافت نام ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے، جسمیں اس مسئلہ پر اپنے خیال کے مطابق ہر حیثیت سے بحث کی ہے، اور اس منصب کے قیام اور فرائض کے متعلق پورا خاکہ اور نقشہ عمل پیش کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ "خلافت اسلام کا نہایت ضروری اصول ہے لیکن ضرور ہے کہ آئندہ خلیفہ صرف دینی و روحانی امام ہو اور اس کو سیاست و حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو، اس کا کام صرف یہ ہو کہ وہ روئے زمین پر پراگندہ مسلمانوں کو ایک تعلیمی نصاب میں منسلک کرے، اور اسلامی مبلغین دنیا کے گوشوں میں بھیجے اور جو لوگوں کو انسانی اخوت اور دینی برادری کی دعوت دے، اور ایسی تاریخی کتابوں کی تصنیف کے لئے ایک مجلس قائم کرے جن سے اسلامی فرقوں کے باہمی اختلافات اور غلط فہمیاں دور ہوں،،

"اس خلیفہ کے ماتحت، اسلامی جماعتوں کے ایسے نمایندوں کی ایک مجلس شوری ہو جو اپنی اپنی جماعت کی طرف سے منتخب ہو کر دار الخلافہ میں بھیجے جائیں، خلیفہ اس مجلس کا صدر ہو اور یہ مجلس شوری مسلمانوں کے مذہبی معاملات اور روحانی ریاست کے احکام انتظامی کے فیصلہ کے لئے آخری عدالت ہو، ہر محلہ کی مسجد اس محلہ کا صدر دفتر ہو، اس محلہ کے صدقات اور اوقاف وغیرہ کا انتظام اس محلہ کے مسلمانوں کی منتخبہ جماعت کے ہاتھ میں ہو، اور یہ محلوں کی مسجدیں، پورے دیہات یا شہر کی اسلامی مجلس کے ماتحت ہوں"، صدقات و اوقاف کے علاوہ دیگر مالی انتظامات سلطنت کے فرائض ہوں گے،

خلیفہ کے انتخاب کے بعد، دنیائے اسلام کے تمام شہروں اور گانوؤں کے صدقات اور اوقاف کی آمدنیاں خلیفہ کے پاس بھیجی جائیں گی، اور وہاں سے پھر وہ حسب ضرورت سورہ توبہ کی اس آیت کے مطابق جس میں صدقات و زکواۃ کے مستحقین کی تفصیل ہے وہ رقم خرچ ہو گی،

مولوی برکت اللہ صاحب بالفعل سوئزرلینڈ میں مقیم ہیں، وہاں سے اپنے مقاصد کی اشاعت اور مسئلہ خلافت کے متعلق اپنی تجاویز کی تبلیغ کے لئے عربی زبان میں الاصلاح نام ایک عربی رسالہ انھوں نے ذو القعدہ ۱۳۴۳ھ مطابق جون ۱۹۲۵ء سے شائع کرنا شروع کیا ہے، مولوی صاحب کی کتاب خلافت انگریزی سے فرانسیسی میں ترجمہ ہو چکی ہے، اب عربی اور ترکی میں اس کے ترجمہ کی کوششیں ہیں، اور تجویز ہے کہ اس کا ترکی ترجمہ تمام ٹرکی میں تقسیم کیا جائے، ممکن ہے کہ مولوی برکت اللہ صاحب کے ساتھ سوئزرلینڈ کے دیگر پرجوش احرار مسلمان بھی ہوں جو وہاں بے خانماں ہو کر مدت سے مقیم ہیں،

ابھی پچھلے مہینہ کی ڈاک سے مصر سے ایک نئی تصنیف، ایک مصنف نے ہدیۃً بھیجی ہے، کتاب کا نام "الاسلام و اصول الحکم" (اسلام اور اصول سلطنت) ہے جس کے نیچے یہ لکھا ہے، کہ "اسلام میں خلافت و حکومت کے نظریہ پر ایک بحث"، اس کتاب کے مصنف جامع ازہر کے ایک تعلیم یافتہ اور محکمۂ شرعیہ کے ایک قاضی شیخ علی عبد الرزاق ہیں، ابھی اسی سال ۱۹۲۵ء میں یہ کتاب شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے

مصنف نے تمام مذکورہ بالا کتابوں کو جو مسئلۂ خلافت کے متعلق لکھی گئی ہیں، پیش نظر رکھا ہے یعنی الخلافۃ والامامۃ العظمیٰ مصنفہ سید رشید رضا، خلافت و حاکمیت ملیہ تعریب عبد الغنی سنی بک، دی خلافت ڈاکٹر آرنلڈ، اور دی خلافت مولوی برکت اللہ بھوپالی،

قاضی صاحب نے بالکل نئی بات پیدا کی ہے، ان کا دعویٰ یہ ہے کہ "خلافت" یعنی جانشینیِ رسولؐ کے منصب کا قرآن و سنت سے کوئی ثبوت نہیں بہم پہنچتا، اور نہ اس معنی میں خلفاے راشدین خلفا تھے، اور نہ انکی اطاعت اس حیثیت سے واجب تھی، آنحضرت صلعم کا منصب محض روحانی اور دینی تھا، وہ صرف رسول اور نبی تھے، کوئی حکمران یا فرماں روا نہ تھے، نہ آپ نے کوئی نظامِ سلطنت قائم کیا، اور نہ اسلام کسی اصول سلطنت کا واضع ہے، خلفائے راشدین کوئی دینی منصب نہیں رکھتے تھے، بلکہ وہ محض دنیاوی حکمراں اور فرماں روا تھے گو انھوں نے اپنے فرائض کو پوری خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا، اس بنا پر خلافت کا تخیل مذہبی اور دینی حیثیت سے تمامتر لغو ہے، اس کتاب نے مصر میں آگ لگادی جامع ازہر کے علما نے اس کتاب پر حکم شرعی قائم کرنے کے لئے مجلس بٹھائی، قضاء سے حکومت نے ان کو الگ کردیا، اور بہت زور شور سے مصر و تونس کے علماء نے اس کے جوابات لکھے ہیں،

ان تفصیلات سے یہ ظاہر ہوگا کہ اس وقت امامت اسلامیہ یا مسلمانانِ عالم کی تنظیم کا مسئلہ تمام اربابِ فکر مسلمانوں کے سامنے سب سے زیادہ اہم اور قابلِ غور بن گیا ہے، یہ تمام خیالات تین مختلف صورتوں کے اندر محدود ہیں،

۱۔ امامت عامہ، اور عالمگیر اسلامی خلافت کی نہ ضرورت ہے اور نہ ممکن ہے،

۲۔ امامت عامہ اور عالمگیر اسلامی خلافت کو سیاست و حکومت سے الگ کرکے صرف روحانی و مذہبی پیشوائی کی حیثیت سے قائم کرنا چاہئے، امامت و خلافت کی مسلمان قوموں کی تنظیم کے لئے ضرورت ہے، اور اس طرح اس کا قیام ممکن ہے،

۴۔ عرب میں یا ٹرکی میں ایک با اقتدار شخصی امامت و خلافت مجلس و ارکان شوریٰ کی قید اور دینی و دنیاوی دونوں طاقتوں کے ساتھ قائم کرنا چاہیئے، اس کی حکومت کے دائرہ سے باہر دوسرے اسلامی ملکوں میں اس کا اقتدار صرف مذہبی و دینی ہوگا،

خلافت و امامت کبریٰ | سادا تنا الکرام

ان خیالات سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام ہیجان میں ہے، مرض کو اس نے پالیا ہے، اور اس کے علاج کی تلاش میں ہے، کیونکہ حالت یہ ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام منتشر اور پراگندہ گھرانوں کا مجموعہ ہے جنہیں کوئی رئیس بہت نہیں، اور اسکا علاج صرف خلافت و امامت کبریٰ کے منصب کا قیام ہے، لیکن اس منصب کے قیام سے مقصود محض لفظی خلافت اور امامت کا اعادہ نہیں، بلکہ معنوی طور سے اس کے اصلی مفہوم میں مسلمان قوموں کی جمعیت کی ریاست اور سرداری ہے، مگر یہ خوب سمجھ لیجیے کہ اس معنوی خلافت و امامت یا مسلمان قوموں کی جمعیت کا قیام اس وقت تک لفظی ہی رہیگا جب تک تمام مسلمان قومیں علیحدہ علیحدہ مستقل طور پر خود اپنے ملک کے اندر منتظم اور شیرازہ بند نہ ہوں کسی دھاگے میں ایک امام کے باندھنے سے تسبیح نہیں بنسکتی جبتک اسکے سب دانے بھی اُس دھاگے میں پڑے ہوئے نہوں

اس وقت دنیائے اسلام میں دو قسم کی قومیں ہیں، ایک وہ ہیں جہاں انکی آبادی کی کثرت ہے انکی ملکی تنظیم خود انکی قومی تنظیم کے مرادف ہے، ایسے ملک دو قسم کے ہیں، ایک تو وہ ہیں جو حقیقت میں خود مختار اور آزاد ہیں، جیسے ٹرکی، ایران، افغانستان، یمن، نجد وغیرہ، ان کو اپنی مضبوطی اور ترقی کی کوشش کرنی چاہیئے، دوسرے وہ ملک ہیں جو برائے نام قومی خود مختاری یا اپنی حکومت رکھتے ہیں، جیسے مصر، عراق شام، حوران، مراکش، تونس، بخارا، آذربائیجان وغیرہ، روسی ممالک، انکو حقیقی آزادی اور خود مختاری کی کوشش کرنا چاہیئے، تیسرے وہ ملک ہیں، جہاں گو مسلمانوں کی کثرت ہے، مگر ان کو سیاسی آزادی نصیب نہیں وہ غیر قوموں کی محکوم اور ماتحت ہیں، جیسے کہ ملک کاشغر چین کا ماتحت ہے، الجزائر فرانس کا ماتحت ہے، جاوا ہولینڈ کا ماتحت ہے، ان ملکوں کو اپنی سیاسی آزادی حاصل کرنا ہے، اور اس کے بعد مسلمان

قوموں کی جمعیت میں وہ داخل ہو سکتے ہیں، چوتھے وہ ملک ہیں جہاں گو مسلمان کی تعداد ہر ایک اسلامی ملک سے زیادہ ہے تاہم ان کو اپنے ملک میں اکثریت حاصل نہیں، ایسے بدقسمت ملک دنیا میں صرف دو ہیں، ہندوستان اور چین ان دونوں ملکوں کی سیاسی اور ملکی آزادی وہاں کے مسلمانوں کے لئے بھی گو حد درجہ ضروری ہو تاہم ملکی حالت کے اختلاف کی بنا پر ان دونوں ملکوں کی سیاسی اور ملکی آزادی اس ملک کے مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کی تنظیم کے مرادف اور ہم معنی نہیں ہو سکتی، اسی لئے ہندوستان و چین کے مسلمانوں کو اس مسئلہ پر تمام دنیا کے مسلمانوں سے زیادہ اپنا وقت اور اپنی ہمت صرف کرنی چاہیئے،

آج کل ہندوستان میں جن چیزوں کی تعبیر تنظیم کے لفظ سے کی جا رہی ہے حقیقت میں تنظیم کے فروع ہیں، اصل نہیں، شاخیں ہیں، جڑ نہیں، اوصاف و عوارض ہیں جوہر نہیں، وہ تنظیم کے نتائج کار ہیں تنظیم کا رشتہ نہیں، یتیموں اور بیواؤں کا انتظام، مسجدوں کی نگرانی، مسلمانوں کے اقتصادیات کی اصلاح، مدرسوں اور مکتبوں کا اجرا، اور اسی قبیل کی چیزیں، تنظیم کے عملی کام ہیں، مگر خود تنظیم نہیں، تنظیم کے بغیر ان کاموں کو انجام دینے کی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے بنیاد کے بغیر دیوار کھڑی کرنا، بلکہ دیواروں کے بغیر چھت ڈالنا ہے،

مسلمانوں کی حقیقی، اصلی اور جوہری تنظیم وہی ہے، جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے قائم کی گئی تھی اور وہ یہ ہے، کہ ہر ایسے ملک میں جہاں مسلمانوں کی حکومت نہیں، اور اکثریت بھی نہیں، ایک **امارت** یا **امامت** قائم کی جائے خاص قواعد شرعی کے ساتھ انتخاب ہو، اس کے لئے ایک مجلس شوریٰ ہو، اور تمام افراد اس کے ہاتھ پر شرعی بیعت کریں اور اس کے ہر شرعی حکم کو ایک حکومت کے حکم کی طرح واجب التعمیل سمجھیں جس کا مخالف مذہباً عاصی اور گنہگار، اور ملت کے رشتہ سے کٹا ہوا ہوگا،

بدبختی یہ ہے، کہ ہم یورپ کے خیالات، افکار اور طریقۂ کار سے اس قدر متاثر ہو گئے ہیں کہ جب ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں، وہی خیالات، وہی اصطلاحات اور وہی صورتِ حال ہمارے سامنے آجاتی ہے جب ہم اپنی قوم کی شیرازہ بندی کرنا چاہتے ہیں، تو انھیں کی بنائی ہوئی تدبیر ہم کو سوجھائی دیتی ہے، آزادی سے انھیں

کی آزادی سمجھ میں آتی ہے، ارگنائزیشن، اور ڈسپلن سے اغفیں کا لفظی ترجمہ تنظیم اور ترتیب و باقاعدگی خیال میں آتا ہے،

امت محمدیہ کی تنظیم خود بانی امت کی تعلیم کے مطابق ہونی چاہیے، سرکار امت علیہ السلام نے سب کچھ بتایا ہے، اور کر کے دکھایا ہے، اسی کی تلاش اور جستجو کی ضرورت اور اسی بنیاد اور اساس پر اپنی ٹوٹی اور شکستہ دیوار کے درست کرنے کی حاجت ہے، حضرت سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جب ظہور ہوا تو عرب کی قوم ہم سے زیادہ منتشر اور پراگندہ تھی، ہم سے زیادہ عداوتوں اور دشمنیوں میں مبتلا تھی، ہم سے زیادہ بدحال اور خستہ و خراب تھی، لیکن حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور کوششوں سے اور جناب باری عزاسمہٗ کی توفیق سے اس طرح متحد منتظم اور یک رشتہ ہوگئی، کہ کانہ بنیان مرصوص گویا کہ یہ ایک دیوار ہے جسمیں سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا ہے اور اس کی سب اینٹیں جڑ کر ایک ہوگئی ہیں، یعنی انکی فردیت فنا ہو کر، جماعت کا جزو ہوگئی ہے،

جس کو ہم تنظیم کہتے ہیں، اس کا شرعی نام جو محمد رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے نکلا ہے، وہ جماعت ہے تنظیم کرنے کو "جمع" یا "جمع کلمہ" اور تنظیم ہونے کو اجتماع یا اجتماعِ کلمہ کہا گیا ہے، اس جماعت کے صدر یا رئیس کا نام امام یا امیر اور اس کے ارکان مشورہ کا نام اولوالامر ہے، ڈسپلن کا شرعی نام جسکی تاکید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے، اطاعت ہے، اور آزادی کے اظہار کا نام قول حق ہے، اگر ہم مسلمانوں کی تنظیم اور شیرازہ بندی کرنا چاہتے ہیں، اور یقیناً مسلمانوں کو زندہ رہنے کے لئے اس تنظیم کی حاجت ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ بغیر اس کے ہیئت اسلامیہ کا وجود ہی نہیں ہو سکتا، آج ہمارے سینکڑوں کام ہیں، ہر کام کیلئے ایک ایک عالمگیر مجلس یا انجمن ہم نے قائم کی ہے، قوم پر اثر رکھنے کے لئے، تاکہ ان کے کاموں کے لئے ان کو روپیہ ملتا رہے، آج ہر شہر میں ہر اسلامی مجلس، اور انجمن دوسری مجلس یا انجمن سے ٹکرا رہی ہے، ہمارے ہر کام کی ابتدا گداگری سے ہوتی ہے اور کم از کم دو تین نسلیں اینٹ چونے کی عمارت اور فراہمیِ سرمایہ میں کھپ جاتی ہیں، اور کارکنوں کو اصلی کام کا موقع یا ملتا ہی نہیں یا کم ملتا ہے، اور یہ ہماری تباہی کے اسباب ہیں، ان سب کا علاج یہ ہے کہ ہماری

ہیئت اجتماعی یا جماعت بندی پوری طرح کی جائے، اس کے بغیر ہم یا صرف منتشر اور بکھرے ہوئے افراد ہیں جماعت نہیں، اور اس لئے ہم اس حالت میں کسی جماعت اور کسی قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے، یا مختلف مجلسوں اور انجمنوں میں بٹی ہوئی مختلف ٹولیاں ہیں جو خود باہم ہاتھا پائی میں مصروف ہیں مختلف خانوادوں اور پیروں کے مرید ہیں جو الگ الگ حصوں میں بٹے ہوئے ہیں، اور آہ! کہ وہ کیفیت ہے جو قرآن پاک نے کبھی نا مسلموں کی بتائی تھی کہ

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى (حشر)

بظاہر تو ان کو ایک سمجھے حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوتے ہیں،

اُمت محمدیہ کی شیرازہ بندی کس دھاگے سے ہے، اور اسکی تنظیم کس رسی سے ہے،

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران)

(اے مسلمانو!) اور خدا کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا،

اور منع کیا کہ تمھاری زندگی ان دوسری قوموں کی طرح نہ ہو جنہیں کوئی رشتہ اور نظام نہیں،

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ، وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (آل عمران)

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے اور کھلے کھلے احکام کے آنے کے بعد آپس میں اختلاف کرنے لگے اور انھیں پر بڑا عذاب ہے،

آخرت میں تو جو عذاب ہے وہ ہے اس دنیا میں بھی یہی ہیں جو ہر جگہ ناکام اور گھاٹے اور ٹوٹ اور نقصان میں رہتے ہیں، نہ انکی جماعت کا کوئی نظم ہے، نہ ان کا کوئی اجتماعی کام ہے، نہ قومی عزم ہے، نہ دشمنوں پر ان کا رعب ہے اور اس نتیجہ کو خود قرآن ہی نے ظاہر کر دیا تھا، اور مسلمانوں کو اس سے مطلع کر دیا تھا،

واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم (انفال)

اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم سست پڑ جاؤگے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائیگی،

جیسے آج تمہارا فرقہ فرقہ جدا ہے اور ہر فرقہ کا نیا قبلہ مقصود اور نیا کعبہ امید ہے، اسیطرح رسول اللہ صلعم کا جب عرب

میں ظہور ہوا تو عرب کا قبیلہ قبیلہ جدا تھا، آپ کی برکت سے دشمن دوست مختلف متحد منتشر مجتمع ہو گئے اور قبائل نے ملت، اور افراد نے امت کا پیکر بدلا، اس نظم و وحدت کا جو نتیجہ نکلا وہ سب کے سامنے ہے، بعثت محمدی کی برکتوں میں سے یہ سب سے بڑی برکت تھی جو قومی حیثیت سے عرب کو حاصل ہوئی، خدا نے اس پر احسان جتایا، اور فرمایا،

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا، (ال عمران)

اور اپنے اوپر خدا کے احسان کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا تو اسکی مہربانی سے تم بھائی بھائی ہو گئے،

اسی نظم و اتحاد سے مسلمانوں پر خدا کی نصرت اتری، اور جب اتریگی اسی طرح اتریگی، اسی لئے اس نظم اور اتحاد کے پیدا کرنے کو خدا نے اپنا خاص فضل قرار دیا،

هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (انفال)

وہی خدا ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں کے ذریعے تیری مدد کی، اور مسلمانوں کے دلوں کو باہم جوڑ دیا اور اگر تو روے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتا تو انکے دلوں کو نہ جوڑ سکتا، لیکن خدا نے جوڑ دیا وہ بیشک زبردست حکمت والا ہے،

اس نظم و اتحاد و تالیف اور اجتماع کے پیدا کرنے کی اس زبردست حکمت والے نے تدبیر کیا بتائی ہے؟

سب سے پہلی چیز اطاعت ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (انفال)

اے مسلمانو! جب کسی گروہ سے مقابلہ آپڑے تو ثابت قدم رہو اور خدا کو بہت یاد کیا کرو تاکہ تم کامیاب ہو، اور خدا کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور باہم نہ جھگڑو ورنہ پست ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی،

کسی دوسری قوم نے مسلمانوں کو کامیاب مقابلہ کے لئے پہلی شرط خدا کی یاد اور اس پر اعتماد اور بھروسہ ہے اور دوسری خدا اور اس کے رسول کی اطاعت ہے اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ آپس میں لڑائی جھگڑے سے پرہیز کریں،

یہ حقیقت سامنے آنی چاہئے کہ جس طرح رسول کی اطاعت خود خدا کی اطاعت ہو اور رسول کے احکام بعینہا خدا کے احکام ہیں، اسی طرح رسول کے جانشینوں کی اطاعت بھی خود رسول کی اطاعت ہے، اس لئے رسول کے بعد ان امرا یا اماموں کی اطاعت فرض ہے، جو صحیح طریقہ سے اس کی نیابت کا حق ادا کریں، قرآن پاک کی ان تمام آیتوں میں جہاں رسول کی اطاعت کی تاکید ہے، اگر وہاں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہاں صرف نبوت کی حیثیت ملحوظ ہے، تو وہاں رسول کی اطاعت کے ضمن میں اس کے نائبوں اور جانشینوں کی اطاعت بھی داخل ہے اور اسی بنا پر احادیث میں امرا اور اماموں کی اطاعت مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے قرآن پاک کی دوسری آیت میں ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ — اے مسلمانو! خدا کی اطاعت کرو، اور رسول اور اپنے سرداروں کی اطاعت کر،

خدا کی اطاعت، رسول کی اطاعت اور امت کے امرا اور اماموں کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے اور یہی ایک صورت مسلمانوں کی تنظیم اور شیرازہ بندی کی ہو، اگر خود رسول اللہ صلعم کی حیات میں اولی الامر سرداروں اور اماموں کی اطاعت واجب تھی، تو آپ کے بعد تو اور زیادہ ضروری ہوگی، یہاں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ الرسول اور اولی الامر ایک ہی فعل اطیعوا (اطاعت کرو) کے تحت میں مفعول ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت بعینہ رسول کی اطاعت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اولی الامر کی اطاعت اسی حالت میں واجب ہے جب کہ انکا حکم خود رسول کے حکم کی تجدید و تائید ہو،

بعض لوگوں نے اولی الامر کے معنی میں اختلاف کیا ہے، مگر یہ تو زبانِ عرب کا لفظ ہے، اس کے معنی لغت سے معلوم ہو سکتے ہیں، یلی ھذا الامر مشہور محاورہ ہے، احادیث میں سینکڑوں دفعہ یہ لفظ ھذا الامر

آیا ہے لیکن اس کے معنی خلافت، حکومت، مسلمانوں کی سرداری، اور ریاست کے آئے ہیں، حضرت ابوبکرؓ اپنی تقریر میں کہتے ہیں، کہ یہ امر قریش کے علاوہ کسی اور قبیلہ میں ہوگا، تو عرب تسلیم نہ کرینگے، خود قرآن ایک موقع پر کہتا ہے،

وَاِذَا جَآءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا، (نساء)	جب ان منافقوں کے پاس امن یا خوف کی (یعنی اچھی یا بری) کوئی خبر آتی ہے تو وہ اس کو شہرت دیدیتے ہیں، اور اگر اس خبر کے بارے میں وہ رسول اور سرداروں کی طرف رجوع کرتے تو ان میں سے جو لوگ بات کی حقیقت سمجھتے ہیں وہ اس کو سمجھ سکتے: اور اگر خدا کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے چند کے سوا سب شیطان کی پیروی کرنے لگتے،

ان پاک آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولی الامر کے کیا معنی ہیں؟ یہ ضروری نہیں ہے کہ اولی الامر کے معنی صرف قوت قاہرہ اور قوت نافذہ والے امراہی کے ہوں، کیونکہ ظاہر ہے کہ رسول کی موجودگی میں کسی دوسرے کو یہ قوت حاصل نہ تھی، اس وقت رسول کی حیثیت امام اعظم کی تھی، اور دوسرے سرداروں کی امام اصغر کی تھی، جو اپنے اپنے قبیلوں، یا فوج کے دستوں یا درس کی مسندوں پر متعین تھے،

اسی آیت میں مسلمانوں کی تنظیم اور شیرازہ بندی کا نقشہ بھی ہے، کہ جب دشمن کی کوئی خبر ملے، یا اور کوئی اہم واقعہ معلوم ہو تو اس کی اشاعت کی مصلحت کو صرف اماموں اور سرداروں کے ہاتھ میں سپرد کردینا چاہئے، اس کی خبر پہلے امامت اور امارت کے مرکزی موقع پر پہونچانی چاہئے، تاکہ اگر وہ مصلحت سمجھیں تو اسکی اشاعت کریں، یا اس خبر کی تحقیق کریں، اور اس تنظیم اور جماعت کے نظام سے روگردانی نفاق کی علامت اور شیطان کی پیروی ٹھہرائی گئی، اور اسی لئے ایسے اشخاص جو اس جماعت کا ساتھ چھوڑدیں ان کو قتل تک کردینے کی اجازت دی گئی،

ہم نے اوپر کی سطروں میں قرآن کی آیتوں سے جو کچھ ثابت کرنا چاہا ہے، وہ احادیث صحیحہ سے بھی ثابت

اور واضح ہے، آپ فرماتے ہیں،

من اطاعنی اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصی امیری فقد عصانی، (بخاری، کتاب الاحکام)

جسنے میری اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی اور جسنے میری نافرمانی کی خدا کی نافرمانی کی، اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی میری نافرمانی کی،

آپ فرماتے ہیں،

اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ (بخاری احکام)

سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر سردار بنایا گیا ہو جس کا سر سوکھے منقی کی طرح کیوں نہ ہو،

پھر ارشاد ہوتا ہے،

من رای من امیرہ شیئا فکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبرا فیموت الا مات میتۃ جاھلیۃ،

(بخاری احکام ومسلم کتاب الامارہ)

جو تم میں سے کوئی اپنے امیر سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو صبر کرے کیونکہ کوئی جماعت سے اگر ایک بالشت بھی علاحدہ ہو جائے اور اسی حالت میں رہ جائے، تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہو گی،

دیکھو یہی جماعت کا لفظ اس حدیث میں قومی نظام کے معنی میں بولا جا رہا ہے، اس بارہ میں سب سے زیادہ صاف اور واضح حدیث حضرت حذیفہ والی روایت ہے، حضرت حذیفہ صحابی کہتے ہیں، کہ لوگ رسول اللہ صلعم سے خیر اور بھلائی کی نسبت سوال کیا کرتے تھے اور میں شر اور برائی کے بارہ میں دریافت کیا کرتا تھا تاکہ وہ مجھے کہیں پا نہ لے، میں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم عرب جہالت اور بدی میں مبتلا تھے، خدا اسلام کی یہ بھلائی لایا، تو کیا اس بھلائی کے بعد پھر برائی کا دور بھی آئے گا، ارشاد ہوا، ہاں آئے گا، دوبارہ گزارش کی کہ کیا اس کے بعد پھر بھلائی کا زمانہ آئیگا، فرمایا ہاں کسی قدر دل کے بگاڑ کے ساتھ، عرض کی وہ بگاڑ کیا ہو گا، فرمایا کچھ ایسے لوگ ہونگے،

جو میرے طریقہ کے خلاف چلیں گے، اچھی باتیں بھی کریں گے، بُری باتیں بھی کریں گے، گذارش کی، کیا اس اچھائی کے دور کے بعد پھر برائی کا دور بھی آئیگا فرمایا ہاں متفرق لوگ ہیں جو جہنم کے دروازوں کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہوں گے، جو ان کی بات مانے گا، وہ اس کو دوزخ میں پہونچا دیں گے، عرض کی یا رسول اللہ انکی صفت بیان فرمایئے ارشاد ہوا کہ وہ ہماری ہی قوم کے ہوں گے، اور ہماری ہی زبان بولتے ہوں گے، عرض کی حضور! اگر یہ زمانہ میرے سامنے آجائے تو کیا حکم ہے، فرمایا تلزم جماعۃ المسلمین و امامھم مسلمانوں کی جماعت کو اور اس کے امام کو لازم پکڑو، عرض کی یا رسول اللہ اگر نہ مسلمانوں کی کوئی جماعت ہو اور نہ کوئی ان کا امام ہو تو کیا حکم ہے، فرمایا تو اس وقت ان سب مختلف فرقوں کو چھوڑ کر علحدہ ہو جاؤ اور اگر درخت کی جڑ کھا کر زندگی بسر کرو یہاں تک کہ تم کو موت آجائے تو بہتر ہے،

یہ حدیث صحیح بخاری کتاب الفتن اور صحیح مسلم کتاب الامارہ میں ہے کہ یہ حدیث ہماری موجودہ مشکلوں کی گرہوں کو کھولتی ہے،

۱- پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کا نظام وہی انکی جماعت، اور اس جماعت کا رئیس وہی انکا امام ہے؛

۲- اسی امامت کے وجود سے جماعت کا وجود ہے، اگر امامت نہیں تو جماعت نہیں بلکہ وہ بٹے ہوئے فرقے ہیں

۳- مسلمانوں کے تمام قومی اور اجتماعی کام اسی وقت جائز ہیں، جب پہلے انکی جماعت کا کوئی امام ہو، اس لئے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا سب سے پہلا کام یہی ہے، کہ وہ امام کے نصب و قیام کے بعد ایک جماعت بن جائیں،

۴- اگر امامت نہ ہوگی، تو جماعت بھی نہ ہوگی، اور جب جماعت نہ ہوگی تو ان کا کوئی کام درست نہ ہوگا،

۵- اس لئے جب مسلمانوں میں امام و جماعت نہ ہو تو افراد کو جماعتی کاموں کو چھوڑ کر تنہا اپنی ذاتی نجات کی فکر کرنا چاہیئے کہ امام و جماعت نہ ہونے کی صورت میں جماعتی کام کا خیال وقت عزیز کو ضایع کرنا ہے،

بنا بریں ان تمام لوگوں کو جو مسلمانوں کا اجتماعی وجود چاہتے ہیں جو ان کے جماعتی کاروبار کو چلانا چاہتے ہیں، سب سے پہلے خود مسلمانوں کو فرقوں کے بجائے جماعت بنانیکی کوشش کرنی چاہیئے، اور اسی کا نام نظم ملت ہے،

اس وقت خلافت کی کیا شکل ممکن ہے؟ حضرات! یہ بالکل صحیح ہے کہ اس وقت کی ہمہ گیر اسلامی خلافت ناممکن ہے، کوئی اسلامی سلطنت اپنے کو کسی دوسری اسلامی سلطنت کی ماتحتی میں دینا گوارا نہیں کر سکتی، اس لیے حسب استطاعت جس حد تک ممکن ہے ایک قومی اسلامی حکومت کو مرکز مان کر تمام اسلامی سلطنتوں اور قوموں کو مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اس کے گرد جمع ہو جانا چاہئے، بہر حال اس مرکزی حکومت کی حکمراں شخصیت کا سیاسی اثر اس کے حدودِ حکومت سے باہر صرف مذہبی و اخلاقی ہی ہونا ممکن ہے، اس صورت میں **خلافت** یا امامت کیا چیز ہوگی؟ مسلمانوں کی سرداری جب تک مسلمان ممالک کی وسعت ایک دائرے کے اندر سما سکی تو یہ واحد منظم جماعت کی سرداری تھی چنانچہ خلافت راشدہ اور خلافت بنی امیہ میں سپین سے لیکر ہندوستان کی سرحد تک تمام مسلمان صرف ایک سردار کے زیر علم تھے، بنو عباس جب تخت نشین ہوئے تو اسپین الگ ہو گیا اور بقیہ ممالک ایک ساتھ رہے، اس کے بعد خلافت عباسیہ کے ضعف اور ترکوں، تاتاریوں اور دوسری قوموں اور ملکوں میں اسلام کی اشاعت کے بعد جب بیسیوں اسلامی حکومتیں قائم ہو گئیں، تو حقیقت میں خلافت یا امامت کی حیثیت آجکل کی اصطلاح میں مسلمان اقوام کی جمعیت کی سرداری کی ہو گئی، گو یہ صورت باقاعدہ نہ تھی، لیکن خاکہ یہی تھا جن لوگوں نے ہمارے رسائل ”دنیائے اسلام اور خلافت“ وغیرہ پڑھے ہیں ان کو اس نظریہ کے تسلیم کر لینے میں کوئی عذر نہ ہوگا یہ بھی معلوم ہونا چاہئے، کہ اسلام نے امامت یعنی مسلمان جماعتوں کی تنظیم اور سردار نظام یعنی امام جماعت کی صحیح اطاعت کو فرض قرار دیا ہے، مگر کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے جسکی بنا پر مسلمان اس کے فروعی اختیارات و طریقہ تنظیم اور دیگر جزئی مسائل کی ترمیم و تجدید میں بالکل مجبور ہوں، اس لیے اگر موجودہ ضروریات اور مصلحتیں قدیم طریقہ تنظیم میں کسی مناسب ترمیم اور تجدید کی متقاضی ہوں تو ان پر ہر وقت غور کیا جا سکتا ہے،

اس وقت یورپ بے چین ہے، اس کا امن و امان معرض خطر میں ہے، سالہا سال کی خونریزی کے بعد اس نے اپنی بے چینیوں کا علاج **جمعیۃ الاقوام** کا نسخہ تجویز کیا، لیکن کس قدر افسوس کی بات

ہے کہ اسلام نے امامت کبریٰ یعنی تمام دنیا کے مسلمانوں کی ایک سرداری کا نسخہ جو جمعیت اقوام اسلامیہ کے ہم معنی ہے، پہلے سے ایجاد کر دیا ہے، لیکن ہماری مسلمان قومیں اس نسخہ سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتی ہیں اور دوڑ دوڑ کر شتابانہ ہیگ کی عدالت عامہ اور جنیوا کی جمعیۃ الاقوام کی طرف جاتی ہیں اور اس کی رکنیت کو اپنی آزادی اور خودمختاری کا ضامن جانتی ہیں حالانکہ انکی آزادی اور خودمختاری کی حقیقی ضمانت اگر ہو سکتی ہے، تو امامت کبریٰ کی تنظیم سے جسکو آپ مسلمان اقوام کی جمعیت کا لقب دے لیجیے،

ایہا الکرام! اس وقت دنیا کی سیاسی حالت جو کچھ ہے، اسکی بنا پر یہ تصور تو نہ کیجئے، کہ خلافت راشدہ و امویہ کی طرح تمام دنیائے اسلام ایک مرکزی حکومت کے تحت میں براہ راست آکر منظم ہو سکتی ہے، یہ خیال بے سود ہے، اور ہمکو اس سے دست بردار ہو جانا چاہیے، البتہ وہی صورت حال کسی قدر ترمیم کیساتھ ممکن العمل ہے جو خلافت عباسیہ کی تھی، ایک مرکزی حکومت خواہ وہ کسی قدر کمزور تھی، بغداد میں قائم تھی اور مشرق میں سلطان محمود غزنوی، و سلاطین سلجوقی اور مصر میں سلطان صلاح الدین ایوبی، اور مغرب میں افریقہ و سسلی تک سلاطین اغالبہ تک اس کے ماتحت تھے، لیکن ان میں سے ہر ملک بجائے خود اپنے قانون میں مستقل و خودمختار تھا،

اس مرکزی حکومت خلافت کی طرف سے تمام ملکوں میں سفراء اور نمایندے مقرر ہوں جو مرکز کی طرف سے اُس ملک کے مسلمانوں میں رشتۂ نظام وحدت کا محافظ ہو، اور تمام دنیا کے اسلامی ممالک کو اس مرکزی خلافت کی مالی امداد منظم طریق سے دینی چاہیے تاکہ وہ اس نظام کو باقاعدہ چلا سکے، اور اس طرح ایک متحدہ اسلام مجسم ہو جائیگا اس راستہ میں کہاں تک سفر طے ہوا؟ حضرات! موجودہ حالت میں مسلمانانِ عالم کی تنظیم و وابستگی کی جو تفصیل کی گئی ہے خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کی کوششیں اس باب میں بہت کچھ سرسبز ہوئی ہیں، تونس، شام، مصر، اور ہندوستان میں جمعیت ہائے خلافت قائم ہو چکی ہیں، دنیائے اسلام کے مسلمان اب دوسرے ملک کے مسلمانوں سے ربط و تعلق کے اظہار میں اب مرعوب نہیں ہیں، مسلمان حکومتیں جو پہلے اس کا نام لیتے گھبراتی تھیں، وہ اب بطور نظریے کے اس کے اعلان سے خوفزدہ نہیں ہیں، شیخ جمال الدین مرحوم کی اُمیدوں

کے پورا ہونے کا موسم اب قریب آرہا ہے، کیسا خوش آیند سماں ہے کہ افغانستان تاجدار ایران کی حفاظت کیلئے اپنی جان قربان کرنے کو سربکف ہے، ایران کا رضا شاہ اسلامی حکومتوں میں رشتۂ اتحاد کے لیے بیقراری ظاہر کرتا ہے، ایران، افغانستان اور ٹرکی میں باہمی معاہدے ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کے خواہاں ہیں، ایران و ٹرکی کی باہمی غلط فہمیاں دور ہو رہی ہیں، نجد کا سلطان، مصر و افغانستان و ایران و ٹرکی اور ہندوستان کے سلاطین اور اولوالامر اور زعماء سے نامہ و پیام کرتا ہے، اور انکو موتمر اسلامی کی دعوت دیتا ہے، ریف کا امیر محمد بن عبد الکریم مشرق کے آخری گوشہ سے ہندوستان کے مسلمانوں کو یاد کرتا ہے، مصر کی موتمر اسلامی تمام اسلامی ملکوں اور ان کے زعیموں سے مراسلات رکھتی ہے، اور اجتماع کی دعوت دیتی ہے، شام کا رہنما سلطان پاشا اطرش امت اسلامیہ کے نام فریاد کرتا ہے، باہم عید و مسرت کے پیغامات بھی آجا رہے ہیں، دنیائے اسلام کے چاروں گوشوں میں امیر امان اللہ، رضا شاہ پہلوی، مصطفی کمال، امیر محمد بن عبد الکریم، سلطان ابن سعود، امام حمید الدین یحیی، سعد پاشا زغلول، اور سلطان پاشا الاطرش، جیسے سرفروش مجاہدین، سیاسی مصلحین، اور ملکی نجات دہندہ پیدا ہو جاتے ہیں، اور ہندوستان میں بھی مسلمان اپنی بساط کے مطابق سرگرمی کا اظہار کر رہے ہیں، اب صرف یہ ضرورت ہے کہ تمام الگ الگ تار ایک ساتھ جوڑ دیے جائیں، کہ اس سازِ محمدؐ ہی سے صوتِ وحدت سامعہ نواز ہو،

موتمر اسلامی یا نف اب الامہ! اسی متخیلہ کو قوت سے فعل میں لانے کے لیے ایک عالمگیر موتمر اسلامی کی سخت ضرورت ہے، جو دنیائے اسلام کو ایک متحدہ شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرے، موتمرِ اسلامی کا تخیل، کوئی جنونِ مذہبی نہیں ہے، عصر جدید میں اس تحریک کا سب سے پہلا بانی روس کا ایک مصلح مسلمان غصپرنسکی مدیر وقت دکریمیا ہے، موصوف نے غالباً ۱۹۰۶ء میں سب سے پہلے مصر میں اسکی دعوت پیش کی مگر کامیابی نہ ہوئی، اب حال میں اس آواز کو ہندوستان کے چند وارفتگانِ ملت نے دوبارہ بلند کیا، سوئزرلینڈ میں مقیم مختلف ملکوں کے سیاسی مسلمان نوجوانوں نے چند سال ہوئے جنیوا میں جمعیۃ الاقوام کے اس اجلاس کے بعد جسمیں ترکی کا فیصلہ ہوا، مشرقی اقوام کی

کانفرنس کی تحریک کی اس دفعہ کامیابی نے اتنی ترقی کی کہ چند قوموں کے نمایندے یکجا ہو سکے، خلافت کے تعلق سے جمعیۃ خلافت اور جمعیۃ العلماء نے اس صور کو اور زیادہ بلند آہنگی سے پھونکا نتیجہ اس قدر کامیاب ہوا کہ بعض اسلامی سلطنتوں نے ادھر توجہ کی، بعض مسلمان بادشاہوں کی زبانوں پر اس کے نام آئے، شریف علی نے گو اس کو رد کر دیا مگر سلطان ابن سعود نے حجاز کے عام حالات پر غور کرنے کے لئے اس کا انعقاد منظور کیا، اور اسکے لئے کئی اعلانات شائع کئے، اور جیسا کہ بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ موسم حج میں یہ امکان واقعہ کی صورت اختیار کر سکتا ہے، اگر ہماری یہ توقع درست ثابت ہو تو عالم اسلامی کا وہ اسم (جماعت) جسکا بعض حلقوں میں مسمّٰی نہیں، اپنے مسمی کا وجود ثابت کر دے گا،

سلطان نے اپنے اعلان میں ہندوستان کو تین نمایندوں کا حق دیا ہے، جسمیں ایک جمعیۃ العلماء کی طرف سے ہوگا، میرے خیال میں یہ مناسب نہ ہوگا، کہ اندرونی فرقہ وارانہ نمایندگی کو قبول کیا جائے، ورنہ اس کا سلسلہ بہت وسیع ہوگا، اور بجائے جمعیت کے یہ تفرق اور انتشار کا باعث ہوگا،

موتمر قاہرہ ترکی کے عزل خلافت کے بعد سے مصر میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ بدستور سابق پھر مصر خلافت کا مرکز قرار پائے، سرکاری علمائے مصر اس خیال کے محرک ہیں، اور سلطان فواد کی طرف سے اس خیال کی ہمت افزائی کی جا رہی ہے، اس کے لئے جامع ازہر اور صدر دفتر مدارس دینیہ میں باقاعدہ دفتر قائم ہے، اسکی طرف سے اس دعوت کو دنیائے اسلام میں عام کرنے کیلئے ایک ماہوار عربی رسالہ مفت تمام دنیائے اسلام میں شایع ہوتا ہے، گذشتہ سال مارچ ۱۹۲۵ء میں اسکا اجلاس عام ہونے والا تھا، مگر مصر کے سیاسی انقلاب اور حجاز کی جنگ کے باعث وہ ملتوی ہو گیا، مجھے بھی دیگر ارکان وفد خلافت حجاز کے ساتھ اس دفتر میں جانے اور علمائے بانیان تحریک سے ملنے اور گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا، ان کی سخت خواہش ہے، کہ ہندوستان کے علماء اور اصحاب الرائے بھی اسمیں شرکت کریں، چنانچہ ہم نے ان کو ہندوستان کی شرکت کی توقع

دلائی تھی، چنانچہ امسال مئی میں اس کے اجلاس کا اعلان ہوا ہے، میرا خیال ہے، کہ بانیانِ کار اور داعیان موتمر کی نیت جو کچھ ہو، مگر ہندوستان کو اس میں شرکت کرنی چاہئے، تاکہ کسی نہ کسی نوع ایک عالمگیر اسلامی موتمر کی صورت تخیل سے وجود میں تو آجاے، اختلاف کے بعد ممکن ہے کہ آیندہ اتفاق کی کوئی شکل میسر آئے، میرے نزدیک نفس اجتماع کی اہمیت بھی اس قدر زیادہ ہے کہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہئے، تاکہ اسلامی وحدت کا ابتدائی خاکہ گو اسکی لکیریں ٹیڑھی ہوں کسی قرطاسِ عمل پر کھنچ جائیں،

چند خطرات

یا معشر العلماء! ان مسرت افزا اور خوش آیند تحریکات کے ساتھ اس راہ کے چند خطرات بھی ہیں، جو دوربین نگاہوں کے سامنے ہیں، اور وہ یورپ کے اثر اور جدید تعلیم کے مہلک نتائج ہیں، جو اسلامی ممالک میں سرعت کے ساتھ پھیل رہے ہیں، ہر دردمند اسلام کا فرض ہے، اور خصوصاً علماء کا فریضہ ہے کہ وہ ان فواسد کے انسداد کی تدبیریں سوچیں، کیونکہ اگر ہر ملک کے مسلمان علماء نے ادھر توجہ نہ کی تو دنیاے اسلام کی سیاسی ترقیوں کے ساتھ وہ روگ بھی قائم رہے گا، جو اس وقت یورپ کی قوموں اور سلطنتوں میں لگ گیا ہے، اور جس سے وہ بمشکل جانبر ہو سکتا ہے، یہ خطرات کیا ہیں؟ اور ان کے انسداد کی کیا تدبیریں ہیں، یہ خاص علماء کے غور و فکر کا مسئلہ ہے، اور اسی کے حل ہونے پر دنیاے اسلام کی روحانی و معنوی حیات و ممات کا فیصلہ ہے، سوال یہ ہے، کہ ایک طرف قوم میں جدید تعلیم اور یورپین تمدن کے اثرات پھیل رہے ہیں جو یورپ کی ہمنوائی و تقلید پر آمادہ کرتے ہیں، اور دوسری طرف آپ قوم کو مذہبیت، اور گذشتہ عہد سلف کی طرف دعوت دیرہے ہیں، یہ دونوں راستے کیونکر کسی اعتدال کی صراطِ مستقیم پر آکر مل سکتے ہیں، اس بارہ میں میرے جو خیالات ہیں، وہ پہلے بھی ظاہر ہو چکے ہیں تاہم مزید اہتمام اور غور و فکر کے لئے آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں،

شریعت و مدنیت، اخوت اسلامی و دین و سیاست

حضرات! وہ خطرات اسلامیت کے مقابلہ میں قومیت و وطنیت اور شریعت کے مقابلہ میں قانون کا مسئلہ ہے، عیسائی مشنریز مسلمانوں کے اس ذہنی

تغیر سے نہایت خوش ہیں، چنانچہ دی انٹرنیشنل ریویو آف مشنریز میں گذشتہ سنہ ۱۹۲۷ء کے اخیر نمبروں میں اس موضوع پر ڈاکٹر چارلس آر واٹسن نے ایک نہایت مسرورانہ مضمون لکھا ہے، اصل یہ ہے کہ یورپ کے فاتحانہ غلبہ اور تمدن و ترقی اور شان و شکوہ کے نظارہ نے ہمارے ترقی خواہ نوجوانوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے، انھوں نے اپنی پوری تلاش و تحقیق سے یورپ کی اس موجودہ ترقی و تفوق کے اسرار ڈھونڈھے تو اُنھیں اِنھیں تین باتوں کا سراغ چلا، اُصول مذہبی کو چھوڑ کر اصولِ تمدن کو اختیار کرنا، عالمگیر مذہبی برادری کے خیال کو ترک کر کے قومیت اور حب وطن کی روح کو تازہ کرنا، مذہب اور سیاست کو باہم الگ کر دینا،

شریعت و مدنیت | انھیں اصول سہ گانہ کا یہ اثر ہے، کہ کوئی یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اسلام میں سیاست اور نظامِ حکومت کا کوئی خاص خاکہ فرض نہیں کیا گیا ہے جسکو چھوڑ کر ہم دوسرے بہتر سیاسی خاکہ کو قبول نہ کر سکیں، عالمگیر خلافت کا تخیل اسلام میں نہیں، کیونکہ یہ قومیت اور حب وطن کی روح اسکی اسپرٹ کے خلاف ہے، سیاسی اور مذہبی طاقتوں کو الگ الگ ہاتھوں میں ہونا چاہیئے، تاکہ سیاسی عنان داروں، اور تمدنی مصلحین کے راستہ میں مذہبی احکام کی موجودگی سدِ راہ نہ ہو سکے،

ان تمام ضلالتوں اور غلط فہمیوں کا صرف ایک سبب ہے اور وہ ہمارے طبقہ کے بعض گروہوں کا جمود ہے، اور موجودہ تقلیدی رسمی اعمال و افعال کو اصلی مذہب کا رتبہ دینا، بدعات و خرافات اور رسوم و رواج کو اصل دینداری جاننا، پچھلے دور انحطاط کے فقہا اور ان کے فتاوی پر اس قدر جمود گویا کہ وہ غلطیوں سے معصوم اور خطاؤں سے مبرا ہیں، اور کتاب و سنت کے اصل ماخذ و مرکز اور ائمہ سلف کے اصل اجتہادات کی طرف تمدنی مشکلات اور مذہبی مسائل کے حل کرنے میں رجوع نہ کرنا، اور یہ یقین کرنا کہ نئے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا اور ہمارے نوجوان تعلیم یافتوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہی لوگ اسلام کے اصلی نمایندے ہیں، اور مسلمان اس وقت جن خیالات، بدعات اور خرافات میں مشغول و مصروف ہیں یہی اسلام اور یہی مسلمانی ہے،

دوسری طرف یورپ کی ظاہری شان و شکوہ پہلی پہل غلبہ و استیلار کا ہمارے نوجوان افرادِ ملت

پر، اور خصوصاً مصر و ٹرکی، تونس اور شام کے نوجوان مسلمانوں پر یہ اثر ہوا ہے کہ وہ یورپ کی ہر ادا کو محبوب، اس کے ہر فعل کو صواب، اسکی ہر حرکت کو مایۂ نازش، اس کے ہر خیال کو آیت یقین، اس کے ہر نظریہ کو ہمپایۂ وحی، اس کے ہر فیصلہ کو ناقابلِ شکست، اسکی ہر آواز کو ہم معنیِ قُم باذنی سمجھتے ہیں، اور جو کچھ اس کے خلاف ہے، وہ غلط، سزاوار ترک اور باعث انحطاط ہے،

غرض اس وقت عام طور سے جو تعلیم پھیل رہی ہے، وہ ایسی ہے، کہ اس کا نتیجہ ہی یہ ہونا چاہئے، کہ ہر اسلامی ملک میں دو قسم کے لوگ پیدا ہو جائیں، قدیم مذہبی تعلیم کے فرزند جو مذہب اور اسلامی تمدن کے احکام اور مصالح کو خوبصورتی کے ساتھ جدید قالب اور ضروریات میں ڈھال کر نہیں پیش کر سکتے، اور دوسری طرف جدید تعلیم کی نسل ہے، جو فرنگیت میں ڈھل کر سوائے یورپین تمدن، یورپین علوم اور یورپین قوانین کے اپنے گھر سے بالکل بیگانہ ہے، اس دو عملی میں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے کسی ملک میں بھی کوئی قومی نظام نہیں بن سکتا، یہی جنگ ٹرکی میں علماء اور فرنگی مآب اشخاص کے درمیان ہے، یہی جنگ بخارا اور ترکستان میں **قدیمی** اور **جدیدی** دو فرقوں کے ناموں سے برپا ہے، یہی جنگ افغانستان میں ملاؤں اور عام اصلاح طلب نوجوانوں کے اندر پیدا ہے،

ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے ہر ملک میں ایسے علماء پیدا ہوں جو جدید علوم و فنون و آداب سے واقف ہو کر، نئے علوم و فنون و تمدن سے متاثر افرادِ ملت پر اپنا اثر قائم کریں، اور شریعت کے آداب و مصالح اور اسرار و حکم سے ان کو آگاہ کریں، اور ان کے زاویۂ نظر کے مطابق یا وہ اگر غلط ہے تو اس کو درست کر کے مذہب کے احکام کو دکھائیں کہ ان کے فہم میں آئیں اور وہ خدا اور رسول کی اطاعت اور فرماں برداری کریں،

حضرت علی مرتضیٰؓ نے اسی اصول کو پیش نظر رکھکر فرمایا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم اتحبون ان یکذب اللہ و رسولہ (او کما قال) اور اسی طرح ہمارے نوجوان جدید التعلیم اشخاص کا فرض ہے کہ وہ مذہبی تعلیم حاصل کریں، اور یہ یقین نہ کریں کہ صرف یورپ اور یورپ کے احکام و

طرزِ تمدن کی نقالی ہی انکی سیاسی و اقتصادی بدبختی کا درمان ہو سکتی ہے،

آج کل اسلامی سلطنتوں کے کارفرما اور ارکان مجلس تمامتر وہ افراد ہیں جو مذہبی قوانین و احکام اور کتاب وسنت اور فقہ سے بالکل بے بہرہ ہیں، ان کے سامنے صرف موجودہ یوروپین سلطنتوں کی نظیریں ہیں، وہیں کے قوانین انھوں نے پڑھے ہیں، وہیں کا فلسفۂ قانون وہ جانتے ہیں، اور اسی کو وہ ترقی کا راز اور سلطنتوں کے سدھار کا اصلی سبب سمجھتے ہیں، یورپ میں سیاست اور مذہب الگ کر دیا گیا ہے، مذہبی لوگوں کو سلطنت اور وضع قانون سے واسطہ نہیں، اور سلطنت اور قانون کے کارپردازوں کو مذہب اور دین سے تعلق نہیں، لیکن سمجھ لینا چاہئے، کہ سوائے طلاق کے اور کوئی قانون عیسوی مذہب کی انجیل میں نہیں، اس لئے عیسوی مذہب قانون سے خالی ہے، اس لئے پادریوں کو سلطنت و قانون سے کوئی واسطہ نہیں لیکن اسلام کا یہ حال نہیں،

یورپ کے قانون کا اساس رسم و رواج، اور رومن قانون ہے، اور اسلام کے قانون کی بنیاد کتاب اور سنت، اور ان سے ماخوذ آئمۂ سلف کی فقہ ہے، یہ کہنا کہ اسلامی فقہ موجودہ سلطنتوں کے لئے ناکافی ہے انتہائی جہالت ہے ابھی ہمارے نئی سلطنتیں تو چوتھائی صدی کی عمر بھی بسر نہ کر سکی ہیں لیکن ہماری گذشتہ سلطنتیں جو صدہا سال سے دنیا کے طول و عرض میں قائم رہیں، ان کا مدار انھیں اسلامی قانونوں پر رہا، اور انھوں نے وہ عروج و ترقی حاصل کی، اور وہ عدل و انصاف اور رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کا سامان کیا جسکی نظیر موجودہ سلطنتوں میں بھی نہیں مل سکتی، خلافت راشدہ خلافت بنو امیہ اور خلافت عباسیہ میں جب تک دم رہا براہ راست کتاب وسنت، اور ائمہ کے فیصلوں پر عمل رہا، لیکن تیسری صدی کے بعد سے جب فقہی فرقے پیدا ہوئے اور تقلید کا آغاز ہوا، تب بھی شافعی، مالکی، اور حنفی فقہیں بڑی بڑی سلطنتوں کا قانون رہیں، اسپین اور مراکش مغرب کی عظیم الشان سلطنتیں فقہ مالکی پر چلیں، سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت فقہ، شافعی پر قائم تھی، سلجوقیوں، مصری

چرکسیوں، عثمانی ترکوں اور مغلوں اور پٹھانوں کی تمام سلطنتیں حنفی فقہ کے اصولوں پر حکمراں رہیں، مگر ان کی دنیاوی ترقیوں، فتوحات، مالی خوشیوں اور عدل و انصاف میں یہ اسلامی قانون کبھی عائق نہیں ہوئے،

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ اسلامی سلطنتوں میں کبھی کبھی ظلم بھی ہوئے، مگر یقیناً یہ اسلامی قانون کے ماننے سے نہیں ہوئے بلکہ ان کے نہ ماننے سے ہوئے، وہ مظالم قانون پر عمل کرنے کے نہیں بلکہ قانون کے توڑنے کے نتائج ہیں، خصوصاً ترکی، تاتاری اور مغل سلاطین کہ انھوں نے فقہ اسلام کے ساتھ ساتھ مسلمان ہو جانے کے باوجود بھی چنگیز و ہلاکو کے سیاست نامہ کو نہیں چھوڑا اور اس کے لئے جب کبھی ایماندار اور بہادر علماء کا وجود ہوا انھوں نے ایمانی شجاعت کے ساتھ سلاطین کا مقابلہ کیا،

بہر حال یہ سلطنتیں گو پوری پوری شریعت اسلامیہ پر عامل نہیں رہیں، تاہم وہ کامیاب رہیں، تو اگر وہ حقیقت میں اسلامی قانون پر کاربند ہوتیں اور سلاطین اپنے کو مطلق العنان نہ سمجھتے، بلکہ قانون الٰہی کے پابند رہتے، تو انکی ترقی اور عدل و انصاف کے نمونے خدا جانے کیا کیا ہوتے، ہمارے جدید ارکان سلطنت کو یہ دھوکا ہے کہ ہماری سلطنتیں اسلامی قانون کی پابندی سے برباد ہوئیں، حالانکہ وہ ان کے سلاطین کی مطلق العنانیوں، اسلامی قوانین کے عدم متابعت اور اسلامی اصول سلطنت کو نہ برقرار رکھنے سے تہ و بالا ہوئیں،

ہمارے نوجوان ارکان سلطنت کہتے ہیں کہ آج ہم کو نئی نئی ضرورتیں درپیش ہیں، نئے نئے مسائل سامنے ہیں، نئے نئے معاملات اور معاملات کی نئی نئی صورتیں آگئے ہیں، جنکا جواب ہمکو اسلام کے قانون سے نہیں ملتا، لیکن اس کی وجہ تو یہ ہے، کہ آپنے ہماری پرانی سلطنتوں کی طرح علماء مجتہدین کے پیدا کرنے کا سامان نہیں کیا، کون کہہ سکتا ہے کہ فاروق اعظم کی سلطنت کے ضروریات ہارون الرشید کی سلطنت کے ضروریات کے بالکل برابر تھیں، زمانہ کے ہر قدم کے ساتھ معاملات کے

نقشے بھی بدلتے رہتے ہیں، مگر ہارون الرشید کے ساتھ قاضی ابو یوسف کا بھی وجود تھا،

حضرات! ٹرکی میں تعلیم کے اندر جو انقلاب پیدا کیا گیا ہے، اسکی صورت یہ کی گئی ہے کہ دینی اور دنیوی درس گاہیں جو اب تک جدا جدا تھیں بند کر دی گئی ہیں، اور دونوں علوم کی جامع درسگاہیں جامعۂ ترکیہ قسطنطنیہ کے ماتحت کر دی گئیں، اور دینیات و الٰہیات کی تعلیم باہم اس میں ضم کر دی گئی ہے، ایک مجلس ڈکشنری الٰہیات قائم کر دی گئی ہے، اس مجلس کی ترکی تالیفات میں نے ایک نظر دیکھی ہیں علم کلام جدید کی دو جلدیں شایع ہوئی ہیں، ایک ماہوار مذہبی رسالہ اس کی طرف سے شائع ہوتا ہے، مگر جو کچھ اس میں نقص ہے، وہ یہ ہے کہ مذہبی عنصر اس میں کم داخل ہے، ٹرکی میں جو قوانین نکاح و طلاق و خلع کے بنے ہیں، ان میں یہی نقص ہے، کہ انکی تعبیر شرعی رنگ میں نہیں کی گئی ہے جس سے لوگوں میں بدگمانیاں پھیلتی ہیں، حالانکہ علمائے اسلام کا دعویٰ ہے اور یہ دعویٰ بالکل سچ ہے، کہ شریعت اسلامی ہر قسم کے ضروری مناسب عقل و مصالح قوانین کے لئے بالکل کافی ہے، ضرورت مجتہدانہ تعلیم کی ہے،

اس قدر جو کچھ کہا گیا اس کا مقصد یہ تھا، کہ ہمارے موجودہ ارکانِ سلطنت اسلامی اصول سیاست پر سلطنت کرنے سے گریز کر رہے ہیں، اور اسی میں اپنی فلاح سمجھتے ہیں کہ ان کی سلطنتیں مذہب اور مذہبی اثر سے بالکل خالی ہوں اور وہ اس کو اپنی کامیابی کا ذریعہ جان رہے ہیں، اسی لئے وہ **خلافت** کے قبول کرنے سے جسکی بنا پر انکی سلطنت مذہبی ہو جائیگی اپنے کو بچاتے ہیں، جمہوریت جسکی ہوا آج کل دنیا میں چل رہی ہے، وہ لوگ اپنی کوتاہ اندیشی اور علماء وقت کی تنگ خیالی کے باعث، اسلام کے اصول سیاست اور طریق حکمرانی کے خلاف سمجھ رہے ہیں، اس لئے بھی اپنی جمہوریت کے بچانے کے لئے خلافت سے دست برداری کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ غایت درجہ کی اسلام کی روح سے ناآشنائی کا ثبوت ہے، اسلام نے تو جمہوری ہی سلطنت کا نقشہ ہمارے پیش نظر کیا ہے، لیکن ہمارے سلاطین اور امرا نے اس نقشہ کو شخصیت کے رنگ میں بدل دیا ہے،

البتہ موجودہ جمہوریت اور اسلامی جمہوریت میں کچھ فرق بھی ہے موجودہ جمہوریت کے لئے شریعت آلٰہی سے واقفیت ضروری نہیں، اسلامی جمہوریت کی صدارت کے لئے دوسرے شرائط کے ساتھ شریعت آلٰہی سے واقفیت ضروری ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ رایوں کی کثرت اور قلت غلطی اور صواب کا معیار نہیں ہے، بلکہ کتاب وسنت سے قریب ہونا یا نہ قریب ہونا صحت اور خطا کی پہچان ہے، اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہمارے ارکانِ سلطنت جس طرح رومن لا اور یورپین قوانین سے واقف ہیں، وہ اسلامی قانون سے بھی آگاہ ہوں، بلکہ وہ جس طرح قوانینِ یورپ کے ماہر ہیں وہ خود اسلامی قانون اور اس کے ماخذ سے آگاہ ہوں، تو وہ خود علماء ہیں اور ان کو "تنگ خیال ملاؤں" کی بھی شکایت نہیں رہیگی اور ان کو مذہب؟ یا تمدن؟ کی کشمکش سے نجات مل جائیگی،

اب تک فقہ اسلامی اور قانون دنیاوی پر جو بحث کی گئی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام روحانی اور سیاسی دو الگ الگ قوتوں سے واقف نہیں عیسائی یورپ کا مدار انجیل کے اس فقرہ پر ہے کہ "جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دیدو، جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو" لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان الحکم الا للہ، "خدا کے سوا اور کسی کی حکومت نہیں" بقول ایک امریکن مصنف کے "قیصر کون ہے، جو خدا کی بادشاہی میں ساجھی ہے؟" اسلام میں چرچ اور اسٹیٹ، دین اور دنیا دو الگ چیزیں نہیں، دنیاداری ہی کو قانونِ الٰہی کے مطابق انجام دینا دین داری ہے، جو اسٹیٹ کا سپاہی ہے، وہی چرچ کا نمازی ہے، ان دونوں کو الگ کرنا ہی تو ہماری تباہی کا سبب ہوا ہے، اگر ہماری دنیاداری دین داری ہوتی، اور دین داری دنیاداری، اور اگر ہمارے سپاہی نمازی ہوتے اور ہمارے نمازی سپاہی تو یہ دن ہی دیکھنے کیوں پڑتے؟

اخوت اسلامیہ اور قومیت | ایہا السادہ! ہماری تفریق اور انتشار کی مصیبت کو جس نے سب سے زیادہ ابھارا ہے وہ قومیت پرستی کا وہ جذبہ ہے، جو یورپ کی نیشنلزم کی نقالی کر کے ہم نے حاصل کیا ہے

یہی وہ جذبہ ہے جس کے مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا، اس کے نزدیک تمام کلمہ گو خواہ وہ کسی قومیت کسی وطن سے تعلق رکھتے ہوں، اور کوئی زبان بولتے ہوں، ایک ہی قوم ہیں، انما ملتکم ھذہٖ ملۃ واحدۃ قومیت کی تفریقیں جن سرچشموں سے نکلتی ہیں، وہ تین ہیں، نسل وطن اور زبان، نسل کی قومیت کو اس نے "جاہلیت کی عصبیت" کہکر پکارا ہے، اسکی صدا تو یہ تھی "ہم نے تم کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں اس لئے بنایا ہے تاکہ باہم ایک دوسرے کو پہچانو" ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے، جس نے کہا "ہاں! عجمی کو عربی اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں" جس نے کہا "ہاں! اے انسانو! تم سب ایک آدمؑ کے بیٹے ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے"

وطن کی حقیقت اس کے نزدیک اسی قدر ہے کہ وہ انسانوں کے بسنے کا ایک مقام ہے اور اس کو ہر برائی اور بدی سے بچانا اور خیر و فلاح سے مالا مال کرنا اس کا فرض ہے، مگر مسلمان دیارِ اسلام کے جس حصہ میں بھی پہونچ جائے وہی اس کا وطن ہے، کہ زمین خدا کی زمین ہے، اسکی ملکیت انسانوں کو نہیں دی گئی، اسی کا اثر تھا کہ اطلانطک سے گنگا تک ایک وطن اور ایک ملک تھا جسکا نام دار الاسلام تھا، زبانوں کی تفریق اپنی خاص زبان عربی دیکر تمام دیگر زبانوں کے خارجی امتیازات کو اس نے فنا کر دیا تھا، اور اس طرح دنیا میں ایک واحد قوم ایک واحد وطن، اور ایک واحد زبان عطا کر دی تھی غرض مسلمانوں میں اب تک صرف ایک قومیت تھی، اور وہ صرف اسلام کی، مسلمان جس ملک سے جس ملک کو نکل جاتا تھا، وہ اپنے کو تمام حقوق کے لحاظ سے اپنے ہی ملک میں سمجھتا تھا، مگر اب ترک اپنی تورانیت، ایران اپنی پارسیت، مصر اپنی مصریت، عرب اپنی عربیت، پر نازاں ہے، اور اسی جذبہ کی ترقی کو اپنی آیندہ کامیابی کی بنیاد قرار دینا چاہتا ہے، بحمد اللہ کہ ہندوستانی مسلمان اب تک اس نجاست سے پاک ہے،

دیکھنے میں یہ معمولی بات ہے، مگر اس کا نتیجہ آپ جانتے ہیں کس قدر اہم ہے، جس جذبہ کو

ترقی دی جائیگی وہی ہماری حیات کا رشتہ بن جائیگا، اگر مسلمانوں کی بنیاد اسلامیت پر رکھی جائے گی، تو مذہبی روح کے دوبارہ پیدا ہونے کی اُمید ہے، جیساکہ ہندوستان کی اس گذشتہ تحریک میں ہمنے دیکھ لیا لیکن جن اسلامی ملکوں نے اپنی اپنی کوششوں کا محور قومیت اور وطنیت کو قرار دیا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہاں جاہلیت کا عہد دوبارہ عود کر آنے کا خطرہ دامنگیر ہے، نوجوان مصری اپنے اہرام اور اپنے فراعنہ پر ناز کر رہا ہے، نوجوان ایرانی اپنے زردشت اور دارا اور خسرو پر فخر کر رہا ہے، نوجوان عرب امرأ القیس اور عنترہ پر پھول رہا ہے، اور سبا و حمیر کے تمدن کو یاد کر رہا ہے، نوجوان ترک ہلاکو اور چنگیز کی اولاد ہونے پر شاداں اور فرحاں ہے، اسلام کا فرزند کوئی نہیں، مولانا محمد علی نے وفد خلافت یورپ کی ایک تقریر میں مصری بھائیوں کے جواب میں ایک نہایت بلیغ فقرہ استعمال کیا تھا، انھوں نے کہا، "اگر تم کو موسیٰ پر ناز ہے تو تم ہمارے بھائی ہو، لیکن اگر تم کو اپنے فرعون پر ناز ہے تو ہم کو تم سے تعلق نہیں"،

آج مصر و ایران، اور ترک و عرب ممالک میں نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ نوجوانوں میں یہ قومی جذبات ترقی پا رہے ہیں، یہ جس قدر زیادہ ترقی پاتے جائیں گے اُسی قدر عالمگیر اسلامی نظام کے دانے بکھرتے جائیں گے، فلسفۂ تاریخ عثمانی کے رازداں جانتے ہیں کہ ترکوں کی یورپ میں فتوحات اور ترقی کا راز یہ تھا کہ ایک طرف ترک و عرب و کرد و رومی مسلمان قومیں متحد تھیں، اور دوسری طرف عیسائی کیتھولک اور آرتھوڈکس کی فرقہ بندیوں میں بٹے ہوئے تھے، ہر عیسائی فرقہ دوسرے عیسائی فرقہ کی تباہی سے خوش ہو رہا تھا، زمانہ الٹا تو صاف حالت بدل گئی، مسلمان ترک و عرب کی قومیتوں میں بٹ گئے، اور ادھر تمام عیسائی قومیں متحد ہو گئیں، نتیجہ زوال تھا،

ایها السادة الاعلام ! انھیں اسباب کی بنا پر آج سخت ضرورت ہے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں اور ارض مقدس سے بڑھکر جو مہد اسلام ہے، اور کون زمین اسکی مستحق ہو سکتی ہے،

کہ وہاں ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم ہو جسکا نظام عمل خلافت راشدہ کے منہاج شریعت کے قانون اخوت اسلامیہ کی قومیت اور دین کی سیاست پر مرتب کیا جائے، اور اس کو با امن و کامیاب مضبوط و محفوظ، اور دنیا کے دیگر ترقی یافتہ خالص قانونی، مدنی ملکوں کے پہلو بہ پہلو کامیاب کر کے دکھایا جائے تاکہ خود مسلمان سیاسی ملحدین، اور یورپ کو یقین آجائے کہ اسلام کا نظام قانون و سیاست اب بھی انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کی اُسی طرح ضامن ہے جس طرح پہلے تھی، زمانہ کے انقلاب اور حوادث نے اس کے نظام کو بیکار نہیں کر دیا ہے، کہ وہ خود خالق فطرت کی طرف سے ہے، اور انسانیت و بشریت کے خیر و فلاح کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے اس حقیقت کی اہمیت کو ہمارے علماء اور عام مسلمان امید ہے کہ پوری طرح محسوس کریں گے، کہ یہ در اصل اسلام کی ظاہری نہیں معنوی حیات و ممات اور اعتقاد و تشکیک کا مسئلہ ہے، خدا کا شکر ہے کہ اس وقت اس کے لئے ارض عرب میں ایک موقع ہاتھ آیا ہے، اور مسلمان چاہیں تو اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، چنانچہ ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ کو سلطان ابن سعود نے حرم میں جو خطبہ دیا، اس کے یہ الفاظ اس موقع پر خاص طور سے یاد رکھنے کے قابل ہیں،

"دیہ بھی سن لیجئے کہ ہم اس تمدن کا جسمیں ہمارا دین، ہماری عزت اور ہمارا شرف (اخلاق) محفوظ رہے دل سے خیر مقدم کرنے کو تیار ہیں لیکن جو تمدن ہمارے دین ہماری آبرو، اور ہمارے شرف (اخلاق) کو برباد کرنے والا ہو تو خدا کی قسم خواہ ہماری گردن ہی اس راہ میں قربان کیوں نہ ہو، لیکن ہم اس کو قبول نہ کریں گے"

ضرورت ہے کہ سلطان کے سامنے صحیح اسلامی حکومت کا ایک خاکہ پیش کیا جائے، امید ہے کہ وہ اسکے قبول کرنے میں پس و پیش نہ کریں گے حقیقت یہ ہے کہ اس وقت عرب دنیائے اسلام کی

مخصوص توجہ کا محتاج، اور حاجتمند ہے کہ تمام مسلمان اسکی راہ میں جو خطرات ہیں، ان کو سمجھیں اور انکو دور کرنے کی کوشش کریں،

ارض اقدس | حضرات! دنیائے اسلام کی روحانی و معنوی تنظیم کے لئے، سرزمین اقدس کی حفاظت اور دستِ اغیار سے اس کو پاک رہنا ضروری ہے، عرب کے سواحل اسی وقت سے یورپ کے دست برد میں ہیں، جب سے ہندوستان کے سواحل پر یورپ کے تجارتی و جنگی جہاز آکر ٹھہرے ہیں عرب کی غلامی صرف ہندوستان کی غلامی کے صدقہ میں ہے، عرب کی اصلی آزادی اسی وقت ممکن ہے جب ہندوستان آزاد ہو، بحر عرب کا ایک ساحل اسی وقت آزاد ہوگا جب اس کے مقابل کے بحر ہند کا ساحل آزاد ہو، اب خطرہ کی ایک اور نئی صورت پیدا ہوگئی ہے، کہ بحر ہند میں اب تک کوئی انگریزی بیڑا نہ تھا، لیکن اب تجویز یہ ہے، کہ شاہی ہندوستانی بیڑا قائم ہو جو خلیج فارس اور بحر عرب کی غارتگری میں کام آئے، ورنہ بظاہر ہندوستان کا کوئی بیا بحری دشمن ابھی پیدا نہیں ہوا ہے، جسکی خاطر تواضع کے لئے یہ کوششیں ہو رہی ہیں، اور ہندوستان کی گرفتاری کے لئے ایک اور نئی زنجیر بن رہی ہے،

عرب کے سواحل تو سولھویں صدی سے اہل یورپ کے شکنجۂ استیلاء میں ہیں انگریزوں نے خلیج فارس کے دہانہ سے لیکر بحرین، دوبی، عمان، سے عدن تک کو اپنے ظل عاطفت میں لے لیا ہے، اور بدبختی یہ ہے کہ خود مسلمان شیوخ باہمی عداوت سے ایک دوسرے کے مقابلہ میں انگریزی حفاظت کی زنجیر اپنے پاؤں میں ڈالتے چلے جاتے ہیں، عرب کے متعلق تین خطرے ہیں، ۱ سیاسی، ۲ عیسائی مشنری، اور ۳ یورپین تمدن، سیاسی خطرہ یہ ہے کہ عرب قبائل اور صوبوں کو جس طرح ممکن ہو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم کر کے انکی قوت کو بانٹ دیا جائے، چنانچہ یہ عمل سواحل پر صدیوں سے جاری تھا مگر ترکی کے وجود تک اندرونِ عرب پر ایک ملکی وحدت قائم تھی، اس سایہ کے اٹھ جانے سے ایک ملک بیسیوں

ملک بن گیا ہے، عرب اس وقت چھوٹی بڑی کم از کم پندرہ سولہ ریاستوں میں منقسم ہے، اس خطرہ کے دور کرنے کی صرف یہی ایک تدبیر ہے کہ چھوٹی ریاستوں کو توڑکر یا ان میں باہم ہجومی ودفاعی معاہدہ کرکے ان کو ایک مرکزی طاقت پر مجتمع کیا جائے، مجھکو معلوم ہے کہ اخیر کی صورت حال پر نوجوان عربوں کی سیاسی انجمن نے اور خود امرائے عرب نے اپنی رضامندی ظاہر کی، اور اس کے لئے کوشش کی خود سفراء اور کام کرنے والوں سے مجھے معلوم ہوا کہ شریف حسین کی شہنشاہانہ بلند حوصلگی نے اس تجویز کو درہم برہم کردیا،

جہاں تک مجھے علم ہے ابن سعود اور امام یحییٰ کا باہمی سمجھوتہ یہ تھا کہ ملک عرب کو جو پہلے سے نسلاً قحطانی وعدنانی، اور جغرافیۃً جنوبی وشمالی عرب پر منقسم ہے، بانٹ دیا جائے، اور قحطانی نسل وجنوبی عرب امام یحییٰ کی حکومت میں، اور شمالی عرب وعدنانی قبائل سلطان ابن سعود کے تصرف میں آجائیں، اور ان دونوں حصوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ان دونوں میں منضم ہوجائیں، اس منصوبہ کے مطابق امام یحییٰ، ادریسی سے برسرِ پیکار ہیں، حدیدہ پر قبضہ کیا ہے، اور بعض خودسر قبائل کو زیر کیا ہے، سلطان ابن سعود نے تو اس حد تک اس تجویز پر عمل کیا کہ نجد کے دوسرے ٹکڑے عارض وشمر کی ریاست جو ابن رشید کے ہاتھ میں تھی، اس پر قبضہ کیا، ترکوں نے خلیج فارس پر احساء اور بحر احمر پر عسیر کے جو علاقے جنگ میں خالی کئے، ان پر تصرف کیا، شام کے پاس کی ایک چھوٹی سی ریاست ابن شعلان کی تھی وہ لی، اور اب سارے حجاز پر اسکی حکومت ہے، اس طرح غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ شمالی عرب میں اب ایک وسیع پرجوش، سادہ، جذبۂ دینی سے سرشار سلطنت قائم ہوگئی ہے، جو نصف پر اپنا علم بلند کئے ہے جسکا قانون شریعت ہے اور جسکا مذہب کتاب وسنت ہے، اور جس سے مستقبل کے متعلق ہماری بہت کچھ توقعات قائم ہوسکتی ہیں، تاہم میں یہ نہیں چاہتا کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی خارجی پالیسی میں دوسروں پر اپنا پورا اطمینان

کرلیں، کہ المؤمن لا یلدغ من جحر مرتین،

سیاسی خطرہ کی اصلی صورت اور ہے جسکی اطلاع مجھکو جدہ میں ایک عظیم الشان سلطنت کے معتمد نے دی تھی، کہ یورپ اب افریقہ کی تقسیم سے فرصت پاچکا ہے، اور اب عرب کے سوا دنیا کا کوئی گوشہ ان کے تصرف سے اب تک محفوظ نہیں ہے، اس لئے اب آپس کے مشورے اسی ملک کی تقسیم و تصرف کے متعلق درپیش ہیں، جو مسلمانوں کو اس قدر عزیز ہے، ان میں بڑا حصہ انگریزوں اور اٹلی کا ہے، انگریز اپنے سلسلۂ استیلار کو فلسطین سے لیکر عقبہ و معاون سے گذار کر عدن تک جوڑ دینا چاہتے ہیں تاکہ عرب کے گلے میں غلامی کا ایک واقعی حلقہ پڑ جائے، اٹلی اپنے افریقی علاقہ اریٹریا کے سامنے یمن پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، چنانچہ یمن سے ان کے اقتصادی تعلقات بڑھ رہے ہیں، اس لئے سلطان ابن سعود اور امام یحیی کو ان یورپین سلطنتوں سے معاہدات کرنے میں پوری ہشیاری اور احتیاط برتنی چاہیئے،

یہ تو عرب کو سیاسی خطرہ ہے، اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم کیجئے کہ یورپین تسلط کیساتھ ساتھ خلیج فارس کے عربی سواحل اور عدن میں عیسائی مشنریوں کا جال شفاخانوں اور ڈاکٹروں کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے، اور پادری زویمر کی دیباے عیسائیت کی کانفرنس منعقدہ قاہرہ و لکھنؤ میں عرب کو عیسائی بنانے کے لئے جو تجویزیں پیش ہوئیں، اور انکی جو مطبوعہ رودادیں شائع ہوئیں، آج دنیائے اسلام کے ہر عالم و دیندار کو پڑھ لینا چاہیئے، تاکہ انھیں معلوم ہو کہ ہمکو کیا کرنا ہے، ضرورت ہے کہ سمجھدار عرب خود اس معاملہ کی اہمیت پر غور کریں،

عرب کے لئے تیسرا خطرہ، وہی جذبۂ قومیت، تفرنج، اور الحاد کا ہے، شریف حسین کی سلطنت اسی لئے نوجوان شامیوں میں مقبول تھی، کہ انکی کوششوں کے لئے ابنائے شریف بہترین آلہ تھے، حجاز میں درحقیقت شریف حسین اور ابن سعود کی جنگ نہ تھی، بلکہ قومیت و اسلامیت کی جنگ تھی جسمیں بحمد اللہ کہ قومیت نے شکست اور اسلامیت نے فتح پائی،

ایہا العلماء النبلاء! سب سے اخیر میں لیکن سب سے زیادہ جو چیز صدیوں سے بلکہ ۱۲ سو برس سے عرب کے جسم میں زہر بنکر پھیل گئی ہے، وہ جہالت ہے، آپ اس ملک کے متعلق کیا کہیں گے جس نے محمد رسول اللہ صلعم اور خلافت راشدہ کے بعد سے اب تک ندائے حق اور صدائے البلاغ کا ایک حرف نہیں سنا جہاں قبائل کے قبائل ہیں، جن پر دوبارہ یہ آیت اطلاق کی جاسکتی کہ لتنذر قوماً ما انذر آباءھم فھم غافلون (یس)، بعد کے خلفاء اور سلاطین نے ان کو قصداً تعلیم سے محروم وعظ و تبلیغ سے ناآشنا رکھا، کہ وہ اپنی حقیقت سے بے خبر رہیں، حرمین محترمین میں ہمیشہ سے سلاطین اور امراء کی طرف سے وہاں مدرسے جاری رہتے تھے جنمیں سب سے زیادہ حصہ مصر کے سلاطین، یمن کے اماموں نے لیا اور ہندوستان میں یہ سعادت گجرات اور بنگال کے سلاطین کے ہاتھ آئی! اہل بنگال کے لئے یہ امر مایۂ فخر ہے، کہ آٹھویں صدی ہجری میں مکہ معظمہ میں جو مدرسہ سب سے بڑا تھا، وہ بنگال کے سلطان شمس الدین کا تھا، علامۂ فاسی نے اپنی تاریخ مکہ میں اس کا پورا حال لکھا ہے، بہرحال اسلامی سلطنتوں کے زوال نے ان کو ان خدمتوں سے محروم کر دیا، اور اب جو ایک دو مدرسے وہاں ہیں، وہ بھی کسمپرسی میں ہیں، امید ہے کہ حجاز کے انقلاب سے وہاں کے تعلیمی نظام میں بھی مفید اضافے ہوں، مگر ضرورت ہے کہ سرکار حیدرآباد و بھوپال و رامپور و وقف اسٹیٹ مسماۃ صغریٰ بہار جو کم ضروری مدوں میں وہاں روپیہ صرف کر رہے ہیں، وہ اس ضروری مد میں صرف کر کے عرب کی اصلی ضرورت کو پورا کریں، اور خدائے تعالیٰ سے اجر جزیل پائیں، ہماری عام اسلامی انجمنوں کو بھی ادھر توجہ کرنی چاہئے،

حجاز حضرات! خدا کا شکر ہے کہ حجاز میں بدامنی اور جنگ کے بجائے امن و امان کا دور دورہ ہے گذشتہ سال جو حاجی گئے، اور امسال جو وفد خلافت گیا، سب نے راستوں کی مامونیت، اور قبائل کی اطاعت، اور حالات کی درستی کی اطلاع دی، اور سلطان کی ذاتی خوبیوں اور لیاقتوں کی

تعریف کی، اثنائے جنگ میں بعض مقدس عمارتوں کے ساتھ بے ادبی کی اطلاعیں بھی بہت کچھ مبالغہ آمیز نکلیں، حجاز کے آثار صحیحہ کی بقا و استحفاظ کی آرزو ہر مسلمان دل میں موجود ہے، اور یقیناً آیندہ موتمر اسلامی کا فرض ہوگا کہ انکی حفاظت کی ذمہ داری موجودہ حکومت حجاز سے حاصل کرے، اس بارہ میں جمعیۃ العلماء سے یہ درخواست بیجا نہ ہوگی کہ مقابر و آثار متبرکہ صحیحہ کے متعلق ہر طرح تحقیق کر کے قرآن پاک احادیث صحیحہ اور آثار سلف سے جو کچھ شرعی احکام ثابت ہوں، ان سے مسلمانوں کو باخبر کرے، اور ان کے متعلق ایک عربی بیان لکھکر حکومت حجاز کے سامنے پیش کرے اور علمائے نجد و حرمین کو بھی اس سے متفق بنانے کی کوشش کی جائے،

حجاز کی طرز حکومت کے متعلق تمام مسلمانوں کی یہی خواہش ہوگی کہ وہ اسلام کے اصلی نصب العین کے مطابق ہو جس میں وراثت کے بجائے انتخاب کی صورت اختیار کی جائے، حجاز میں سلطان ابن سعود نے بادشاہ منتخب ہونے یا اپنی ملکیت کے اعلان کرنے میں یقیناً جلدی کی یقیناً حجاز کیلئے ملکیت کا لقب بالکل نامناسب ہے، اور یہ وہی نفرت انگیز لقب ہے جو شریف حسین کی پیشانی کا داغ ہے، مستحسن نہ تھا کہ اس داغ کو سلطان ابن سعود اپنی روشن پیشانی پر لگا لیں، ملک عرب میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے بجائے ایک وسیع سلطنت کے متخیلہ کو یقیناً اس سے فائدہ پہنچا ہے، اور حکومتہائے متحدہ عربیہ کے خواب کی کچھ تعبیر اس سے نکلی ہے، مگر ضروری ہے کہ اس اتحاد کا تخیل شہنشاہی کے دعوی سے بالاتر ہو،

یہ مسرت کا مقام ہے کہ سلطان نے حجاز میں مسلمانان عالم کے حقوق کو تسلیم کر لیا، اور اس کی حفاظت و ترقی میں حصہ لینے کا موقع تمام مسلمانوں کو عنایت کیا حالانکہ شریف کی حکومت نے اسکو اپنی نخوت سے ٹھکرا دیا تھا، اب مسلمانوں کا فرض ہے، کہ حجاز کے متعلق اپنے فرائض کو ادا کریں، حجاز کی حفاظت کے لئے ضرورت ہوگی، کہ حجاز کی حکومت بحری قوت بھی حاصل کرے، خصوصاً ایسی حالت میں جب ہندوستان کے سواحل پر انگریزی بیڑے کی تیاری کی فکر ہے،

حجاز کی حالت پر غور کرتے ہوئے اس کے مشکلات سیاسی اور اقتصادی کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئیے، یہ عرب کا وہ حصہ ہے جس کو یورپ کی ان تمام سلطنتوں سے تعلقات رکھنا پڑتا ہے، جہاں مسلمان آباد ہیں، سب سے زیادہ انگلستان، ہالینڈ، اٹلی اور فرانس کو اس حیثیت سے حجاز کے ساتھ خاص تعلق ہے، دنیا کے ہر حصہ کے مسلمانوں کی یہاں آمد و رفت ہے، اور وہاں کے مہاجرین یہاں آباد ہیں، حجاز کی بدامنی کے باعث یہ لوگ مدتوں کے قیام پر بھی اپنی اپنی سلطنتوں کی رعایا رہتے ہیں، اور اس سے حجاز کے معاملات میں دول یورپ کو دست اندازی کا موقع ملتا ہے، ضرور ہے کہ وہ مسلمان جو ہجرت کی نیت رکھکر جائیں یا مستقل تجارتی کاروبار وہاں کرنا چاہیں، وہ اپنے کو حجاز کی رعایا بنائیں، اور حکومت حجاز کے لئے بھی ضروری ہے، کہ اس بارہ میں خاص قوانین نافذ کرے، میرا تخمینہ ہے، کہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ میں کم از کم ایک ثلث آبادی ایسی ہو گی، جو دول غیر کی رعایا بنی ہوئی ہے،

حجاز کی راہ میں دوسری چیز یہ حائل ہے، کہ اسکی مالی و اقتصادی حالت خراب ہے، ترکوں کے عہد میں جدہ کی چنگی کی آمدنی جو حجاز کا تنہا مالی ذریعہ ہے، ۵۰۰۰۰ پونڈ تھی، اور خرچ ۱۰ لاکھ پونڈ، شریف حسین نے چنگی بڑھا کر ۵۰۰۰۰ سے ۵ لاکھ پونڈ کر دیا، اس سے وہاں کی تجارت اور وہاں کے تاجر برباد ہو گئے، ملک خشک ریگستان یا سنگستان ہے، اس لئے یہاں کوئی بڑی آمدنی کی توقع نہیں، شریف حسین نے یہاں ایک اور آمدنی کا ذریعہ حاجیوں کی لوٹ مار، اور شتربانوں سے نصف کی وصولی کا نکالا تھا، جس نے اس کی سلطنت کو اور بدنام اور غیر ہر دلعزیز کر دیا، "قرنطینہ" کے نام سے ایک علحدہ رقم لیجاتی تھی، مگر اس میں سے کوئی رقم حجاز پر صرف نہوئی، بلکہ تمام ذاتی خزانہ رہا،

حجاز میں لوگوں کی بسر اوقات کے لیے معمولی تجارت اور حاجیوں کی معلمی شتربانی اور مکانات کے کرایکے سوا کوئی اور آمدنی نہیں، حجاز میں ایک بڑی دولت قربانی کی کھالیں ہیں، شریف نے ان کھالوں کا ٹھیکہ اٹلی کی ایک کمپنی کو دیدیا تھا، مگر اب اصلاحات کے دور میں اگر خود اہل عرب

کی زیر نگرانی یہاں چرمی کارخانۂ دباغت وصناعی قائم ہو تو اس کو بڑا فروغ ہو، عرب میں ہر چیز باہر سے آتی ہے، حاجی ہر سال جب وطن واپس آنے لگتے ہیں تو مکہ معظمہ اور جدہ سے جانماز و تسبیح اور کپڑے خرید کر تبرکاً لاتے ہیں، مگر یہ کل چیزیں، اٹلی اور دیگر یورپین ملکوں کی ساختہ ہوتی ہیں، ایک عرب کی سب سے بڑی دولت اس کے قالین ہیں، جو اس کی عزت و آبرو کے ذمہ دار ہیں، اس لئے قالین بافی اس کے لئے نہایت ضروری ہے، اور یہاں سے وہ تمام دنیائے اسلام میں اچھے داموں میں خریدے جا سکتے ہیں،

حجاز میں ایک اور مسئلہ بھی قابل غور ہے، اور وہ غیر سلطنتوں کے یورپین قنصل، اور جہازوں کے یورپین ایجنٹ، اور ایک دو یونانی تاجروں کا وجود ہے، اس ملک میں نامسلمانوں کی سکونت کا مسئلہ سب پر روشن ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ حجاز کی حکومت دوسری سلطنتوں سے اس بات پر اصرار کرے کہ وہاں مسلمان سفراء اور قنصل مقرر ہوں، بالفعل بالشویک روس کے سفیر مسلمان ہیں، ہالینڈ کا نائب سفیر مسلمان ہے، باقی یورپین ہیں، اس سلسلہ میں مسلمان حکومتوں کو انکی اس غفلت پر متنبہ کرنا ہے، کہ ایران کے سوا اور کسی اسلامی حکومت نے وہاں اپنے سفراء نہیں مقرر کئے ہیں ایرانی سفیر بھی مستقل نہیں ہیں بلکہ ایک ایرانی تاجر اس خدمت کو ادا کرتے ہیں، ٹرکی، مصر اور افغانستان کو ادھر توجہ کرنی چاہیئے،

حجاز کے اقتصادی مشکلات کے سلسلہ میں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ حکومت حجاز یورپ کے غیر ملکی سرمایہ سے محتاط رہے، اور کمپنیوں کے ہاتھ اپنے ذخائر اور معادن کو دیکر حجاز میں غیر ملکی اختیارات کا راستہ نہ کھولے،

حج کا نظام حجاز میں تمام دنیا کے حاجیوں میں سب سے زیادہ تکلیف ہندوستانی حاجی اٹھاتے ہیں، واپسی کے ٹکٹ کی خریداری اس مرض کا علاج نہیں، اصل میں اسکی ضرورت ہے کہ

جہازوں کا نرخ کرایہ مقرر ہو، حجاز کے علاوہ اور تمام مقامات کے کرایوں میں اتنا تفاوت نہیں ہوتا مگر یہ عدم تیقن کی صورت صرف حجاز کیلئے خاص روا رکھی گئی ہے، اسی طرح تیسرے درجہ کے مسافروں کی حالت درست کی جائے، یہ بھی ضرور ہے، کہ جدہ میں حاجیوں کے ٹھہرنے کیلئے مکانات تعمیر ہوں، پینے کے پانی کا بندوبست ہو، جدہ سے قریب میٹھے پانی کا مخزن دریافت ہوا ہے، ہمارے چند رؤسا اگر چاہیں تو وہاں سے جدہ تک پائپ کا سامان کر کے اجر جزیل پائیں جدہ میں ہندوستانی حاجیوں کا ایک دفتر کھلنا بھی ضروری ہے، مصر و شام کے حاجی ایک امیر الحجاج کے زیر قیادت ہوتے ہیں، جسکی وجہ سے انکا خاص نظام ہوتا ہے، مگر ہندوستان کے حاجی بھیڑ بکری کی طرح انگریزی افسر حج کے بید کے نیچے ہوتے ہیں، گذشتہ سال مجلس خلافت اور جمعیۃ العلماء نے تھوڑا سا اس نظام پر عمل کیا، جسکے باعث بہت سی خرابیاں دور ہوئیں، اور حاجیوں کو بہت کچھ آرام پہنچا، ہمارا خیال ہے کہ ہر سال اس نظام کی پابندی کی جائے، اور جمعیت و خلافت کی طرف سے ہر سال امیر الحجاج مقرر کیا جائے، اور اس کے ماتحت کچھ کارکن بھیجے جائیں، چند سال میں یہ نظام باقاعدہ مکمل ہو جائیگا، تو حج کی مشکلات کا خاتمہ ہو جائیگا،

عقبہ معان حضرات اِحجاز کی حفاظت کیلئے عقبہ کے بندرگاہ اور معان کے ریلوے اسٹیشن کی اس سے زیادہ ضرورت ہے جس قدر ہندوستان کی حفاظت کے لئے عراق کی، انگریزوں کی نظر عقبہ پر آج سے نہیں بلکہ سلطان عبد الحمید خاں ہی کے زمانہ سے تھی، چنانچہ اس کے لئے ایک بڑی جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، بالآخر اب اس سازش کے ذریعہ سے اس مقصد میں کامیابی ہو گئی، عقبہ حجاز کا پہلا بندرگاہ ہے، اور جنگی نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہے، جو فوج اس پر قابض ہو گی اسکا پستول ہمیشہ حجاز کے سینہ پر رہے گا،

معان کا ریلوی اسٹیشن بھی حجاز کے لئے اتنا ہی اہم ہے، معان کے بعد خیبر ہے، اور خیبر سے مدینہ منورہ دور نہیں

بنابریں معان کے اسٹیشن کے قبضہ سے کسی حال میں غفلت نہیں برتی جاسکتی شرق اردن ایک باریک پردہ ہے جس کے پیچھے انگریزی سیاست صاف نمایاں ہے، انگریزی حکومت کا فرض ہے کہ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کے قبضہ و استیلا کے ناجائز ارادہ سے دست بردار ہو جائے، اور سلطان ابن سعود کو بھی اس کے لئے سیاسی تدبیریں کرنی چاہئیں، شریف کی غلطیوں کی تلافی حکومت حجاز کا فرض اولین ہے، اور ہم سب مسلمانوں کو اپنی پوری قوت اس پر خرچ کرنی چاہئے،

عراق وشام وموصل

حضرات! عراق وشام کے مسئلہ کے متعلق ہم مسلمانوں کا ابتک وہی دعویٰ قائم ہے، کہ یہ جزیرۃ العرب کے تکمیلی حصے ہیں، اور حکومت انگلستان و فرانس کو جزیرۃ العرب سے اپنے اعلانی وعدونکے مطابق اپنے سازشی معاہدوں کو توڑ دینا چاہئے، عراق کی قید غلامی کا زمانہ ۵ برس سے پچیس برس تک بڑھ جانا کوئی غیر متوقع امر نہیں ہے، یہ چوتھائی صدی کا عہد اگر پوری صدی کی صورت میں بھی بدل جائے تو انگریز سیاسی اخلاق کے متعلق دنیا کو کوئی نیا تجربہ نہ ہوگا، جمعیۃ الاقوام کے فیصلہ کے مطابق یہ پچیس برس، موصل کی شرط کے ساتھ ہے، اگر موصل ملے یا نہ ملے عراق وبرطانیہ کا معاہدہ تو پچیس ۲۵ برس کی غلامی کا مکمل ہوچکا،

موصل کے قضیہ کے متعلق جمعیۃ الاقوام نے انگریزی سیاست کے احکام کی پوری تعمیل کی، مگر اسی کے ساتھ انگریزوں کی سلطنت کی دروغ گوئی اور کذب کی قلعی بھی کھول دی ہے، جس سے مشرقی اقوام میں اس کی ساکھ روز بروز کم ہو رہی ہے، دنیا کو لارڈ کرزن سابق وزیر خارجیہ برطانیہ کا یہ سرکاری اعلان یاد ہوگا کہ موصل کے معاملہ میں ترکوں کی رضامندی کے بغیر کوئی فیصلہ نہ ہوگا، پھر جمعیۃ الاقوام کو ترکوں کی رضامندی کے بغیر فیصلہ پر مجبور کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ انگریز یاد رکھیں کہ یہ ان کی عارضی کامیابی دائمی ناکامی کا پیش خیمہ ہے، اگر موصل کے معاملہ میں جنگ پیش آئی تو یقین ہے، کہ ہندوستان اپنی گذشتہ غلطی کا دوبارہ ارتکاب نہ کریگا،

شام کی حالت پچھلے مہینوں سے جو کچھ ہے، وہ کس سے مخفی ہے، وفد خلافت یورپ نے وزیر خارجیہ فرانس کی ملاقات میں وزیر موصوف کو جن الفاظ میں متنبہ کیا تھا، غالباً وہ الفاظ فراموش نہوئے ہوں گے ہمارے رئیس وفد نے کہا تھا کہ گو آپکے نزدیک شام کا فیصلہ ہو چکا، مگر جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، یہ دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا، شامی احرار کا قتل عام، ارمنوں کے قتل عام سے زیادہ روز روشن میں انجام دیا گیا ہے، شام کے خوبصورت شہر اور مسلمانوں کی دوسری خلافتگاہ کی بربادی تاریخ کا اندوہناک واقعہ ہے، اور یہ ان لوگوں کے ہاتھوں انجام پایا ہے جو دنیا میں امن وسلامتی کے ٹھیکہ دار ہیں، یورپ کو اپنی اس بربریت اور وحشت پر شرمانا چاہیئے، اُمید ہے کہ شام اپنی اس خونی تحریک میں کامیاب ہو کر نکلے گا، کہ حق اس کے ساتھ ہے،

ہندوستان اور مسلمان

یا

مسلمان اور ہندوستان

حضرات! عالم اسلامی کے مباحث کے بعد ضرورت ہے کہ اسی تفصیل سے ہندوستان اور مسلمان یا مسلمان اور ہندوستان کے مسئلہ پر بھی اظہار خیال کیا جائے، یہ افسوس کے قابل امر ہے گذشتہ پندرہ برسوں میں یعنی جب سے ہم نے سیاسی کروٹ لی ہے، طرابلس، بلقان، عراق و شام و قسطنطنیہ کے مسائل سے ہماری دلچسپی روز افزوں رہی، لیکن خود اپنا خیال بہت کم آیا، مجھکو ان مسائل کی اہمیت سے انکار نہیں جنھوں نے ہماری توجہ کو ایک مدت تک اپنی طرف منعطف رکھا لیکن ضرورت ہے، کہ ہم ادھر بھی اپنی پوری توجہ صرف کریں، غیر ملکی وفود میں بار بار شرکت کے باعث ہمارا یہ عقیدہ راسخ ہے کہ ہم اس وقت تک باہر بھی ہیچ ہیں جب تک ہم خود اپنے گھر میں ہیچ ہیں، ہم اس وقت تک دوسروں کو غلامی سے نہیں بچا سکتے، جب تک ہم خود ہر طرح

غلام ہیں، اس لئے ہمکو دوسرے قیدیوں کی امداد کی سرگرمی میں یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ ہمارے ہاتھ پاؤں خود بندھے ہوئے ہیں، اور ہم جنبش نہیں کر سکتے، افسوس ہے جن مصیبتوں پر ہم سرگرم نالہ ہیں، ان کا سامان خود ہمارے ہی گھر میں ہے، جب تک انگلستان اور ہندوستان کے درمیان موجودہ طرز کا تعلق قائم ہے، انگلستان سے لیکر ہندوستان تک ایک اسلامی ملک بھی خطرہ سے آزاد نہیں رہ سکتا،

وطنیت

حضرات! اس موقع پر ایک اور مسئلہ کا صاف کر دینا بھی ضروری ہے، یہ کوئی چھپا ہوا راز نہیں ہے کہ عام معنوں میں وطنیت کوئی اسلامی جذبہ نہیں ہے، اور نہ مسلمانوں میں یہ مصنوعی جذبہ کبھی پیدا ہو سکتا ہے، آج یورپ کے ارباب فکر صدیوں کے بعد اس نتیجہ تک پہونچے ہیں کہ انسانیت کو قومیت و وطنیت کی قیدوں سے آزاد ہونا چاہئے، اور اسی سے دنیا کی مصیبتیں کم ہو سکتی ہیں، اسلام نے اس جذبہ کی تحقیر کی ہے، اسی سے بعض ہموطنوں کو یہ دھوکا ہوتا ہے، کہ مسلمانوں کو ہندوستان کے ساتھ محبت نہیں، لیکن صاحبو! یہ خیال تمامتر مغالطہ پر مبنی ہے اسلام میں وطنیت پرستی اور وطن کو دیبی اور دیوتا بنانے کا عقیدہ یقیناً نہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ جس سرزمین میں وہ رہتے ہیں، وہ اس کے خیر و فلاح اور ترقی و آزادی سے کوئی تعلق نہ ہو، ہر مسلمان کا فرض ہے، کہ وہ دیار اسلام کو دشمنوں سے آزاد کرائے، اور اس راہ میں اپنی جان تک کی قربانی کی گوارا کرے، وہ جس ملک میں بھی ہو اس ملک کے حقوق کا ادا کرنا ضروری ہے صحابہ کرام مکہ سے ہجرت کر کے حبش جاتے ہیں، وہاں ایک دشمن لشکر ملک پر حملہ آور ہوتا ہے، صحابہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے سامنے اپنی خدمات پیش کرتے ہیں، اور ملک کی حفاظت میں حبشیوں کے ساتھ شرکت کرتے ہیں،

اکثر تعلیمیافتہ ہندوؤں بلکہ بعض تعلیمیافتہ مسلمانوں کو بھی یہ شبہہ ہے، کہ نیشنلزم اور پین اسلامزم

دونوں کو یکجا کیونکر کیا جاسکتا ہے، لیکن میرے نزدیک کوئی محال تخیل نہیں ہے، ہم دنیائے اسلام کے ساتھ اپنی محبت دینی کے ثبوت کے بعد بھی اپنے ملک کے ساتھ بھی اپنی وفاداری کا ثبوت دے سکتے ہیں، بلکہ دے رہے ہیں، کیا اہل یورپ آج اپنی اپنی وطنیت اور قومیت کے شدید جذبات کے ساتھ ساتھ ایشیا کے مقابلہ میں پورے یورپ کو اپنی دلی عقیدت کا مرکز نہیں قرار دے رہے ہیں، پھر جس طرح انگلینڈ کی محبت کے ساتھ یورپ کی محبت ایک دل میں گھر کر سکتی ہے، اسی طرح کل دنیائے اسلام کے ساتھ محبت کے باوجود ہم ہندوستان کے ساتھ پوری وفاداری کر سکتے ہیں، ہم تمام اسلامی ممالک کے بجائے خود خیر خواہی کے ساتھ اپنے اس ملک کی خیر خواہی کے بھی مدعی ہیں، فرض کر لیجئے کہ جاپان اگر ہندو یا آریا سماجی ہو جائے تو کیا ہمارے ہندو دوستوں کے دلوں میں ہندوستان کے ساتھ وفاداری کے باوجود جاپان کے ساتھ ہمدردی نہیں رہ سکتی؟ اگر ہمارے ہندو بھائی ہندوستان کے ساتھ ساتھ مشرقی اقوام کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھائیں، اور ان کے حلقۂ محبت و نظام میں داخل ہو جائیں تو یہ معما فوراً حل ہو جائے، تاہم اس امر کو بھی چھپانا نہ چاہئے، کہ مسلمانوں میں ایک فرقہ ضرور ایسا ہے جو ہندوستان سے گھبراتا ہے، اور یہاں کے حالات سے اطمینان نہیں پاتا،

حجاز و حرمین کو تو جانے دیجئے کہ وہ ان کا مذہبی مرکز ہے، مگر انگورہ و قاہرہ تو ان کے مذہبی مرکز نہیں، اور ادھر ہندوستان میں انکی ملکیتیں ہیں، انکی جائدادیں ان کے اسلاف کی یادگاریں ہیں اور بہت سی عزیز چیزیں ہیں تاہم عام طور سے یہ چیزیں ان کو اپنی طرف زیادہ مائل نہیں کرتیں، سبب بالکل ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں اپنے کو اپنے ہموطنوں سے محفوظ نہیں سمجھتے، ہندوستان میں آیندہ کوئی طرزِ حکومت بھی ہو جب تک وہ ان کے حقوق کی ذمہ داری نہ لے، وہ مسلمانوں میں مقبول نہیں ہو سکتی،

مسلمانوں کا ہندوؤں پر صرف ایک ہی ظلم گنا جا سکتا ہے، کہ وہ گائے کی قربانی کرتے ہیں،

برخلاف اس کے مسلمان، اپنی عبادتوں کے روکے جانے، مسجدوں کے گرائے جانے، اذانوں کے روکنے، حقوق کے نہ ملنے، پچھڑ جانے، اور دفتروں میں جگہ نہ پانے، اپنی زبان کے مٹائے جانے، شدھی کے نئے حملے سے اپنے کو بے پناہ سمجھنے، مسلمانوں کو ہندو قومیت کے قبول کرنے پر زبردستی کرنے، اور اس ملک سے انکے مٹا دیئے جانے کے ارادے برابر سنتے آتے ہیں، اور یہ باتیں ان کو ہندوستان سے لگاؤ نہیں پیدا کرنے دیتیں، اور وہ باہر کو جھانکتے ہیں، اس لئے سمجھدار برادران وطن کا فرض ہے، کہ وہ اس قسم کی وحشت انگیز باتوں سے پرہیز کریں، اور جہاں تک ممکن ہو موانست اور ایک دوسرے پر اعتماد اور خیر خواہی کے جذبات کو ترقی دیں،

ایسے ہی مسلمانوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ ڈر اور خوف کو اپنے دلوں سے نکال ڈالو، اور اپنے بہادر اسلاف کی طرح جہاں قدم جما چکے جمائے رہو، "ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست،" اس ملک میں ہم کو دوسروں کے سہارے نہیں بلکہ صرف خدا کے سہارے، اور اسکے دئے ہوئے دست و بازو کے سہارے رہنا ہے، اور اپنے حقوق ملکی و دینی کی حفاظت خود اپنی کوششوں سے کرنا ہے، اور اس کیلئے سب سے پہلی چیز یہ ہے، کہ ہماری ایمانی قوت میں ترقی ہو اور تخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ کا ہمارے پیش نظر ہو، تعداد اور مردم شماری کے جھگڑے میں نہ پڑو، بلکہ اپنی اندرونی قوت، معنوی طاقت، ذہنی فوقیت، دماغی ترقی اور روحانی صلاحیت پیدا کرنیکی کوشش کرو، تعداد مردم شماری کے مسئلہ کا تبلیغ سے کوئی تعلق نہیں، کہ وہ تو تمھارا مذہبی فریضہ ہے، جس کو تمھیں اس ملک میں بغیر اس خیال کے ادا کرنا ہے، کہ تم اس ملک میں کم ہو یا زیادہ، کیا مسلمان اگر اس ملک میں تعداد میں زیادہ ہوتے تو یہ فرض ان سے ساقط ہو جاتا،

ہندو مسلم اتحاد

خود غرض لوگوں نے تعداد کی کمی بیشی کو اپنے شکار کی ٹٹی بنایا ہے، مسلمانوں کو ڈرایا جارہا ہے، کہ ہندوؤں کی عظیم الشان تعداد تم کو کھا جائیگی، اور یہی وہ آواز ہے، جو مدت سے آج تک برابر مسلمانوں کو سنائی جارہی ہے، اور ان کو یقین دلایا جارہا ہے، کہ مسلمانوں کی قلیل تعداد ہندوستان

میں اس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتی جب تک کہ وہ کسی غیر کا سہارا نہ لیں، دو فریق بالمقابل ہیں انگریز اور ہندو، مسلمان غدر کے بعد سے لیکر ہنگامۂ طرابلس تک اس اصول پر کاربند رہے ہے، کہ انگریزوں سے اتحاد کر کے حکومت کے ظلِ عاطفت میں وہ ہندوؤں سے برسر جنگ ہوں، ۱۹۱۱ء سے جو انقلاب ہندوستان کی اسلامی سیاست میں ہوا اس نے مسلمانوں کو انگریزوں سے نکال کر ہندوؤں سے متحد ہو کر ہندوستان کی آزادی کے خیال کی طرف مائل کیا، ۱۹۲۳ء سے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں نے مسلمانوں کو پھر متزلزل کر دیا اور اب انکی کوئی متفقہ پالیسی باقی نہیں رہی، کچھ احرار ہیں جو اپنے اس اعتقاد سیاسی پر قائم ہیں، کہ ہندوؤں ہی سے اتحاد ہندوستان میں مسلمانوں کی بھلائی کے لئے ضروری ہے، قدامت پرست پہلے ہی سے اس اُصول پر قائم ہیں اور اب تجربہ کی بنا پر اور زیادہ مستحکم ہوگئے ہیں کہ انگریزوں سے ہی اتحاد مسلمانوں کے لئے مفید ہے، اور اکثر مسلمان ان دونوں پالیسیوں کے ترک و اختیار میں متذبذب ہیں،

ہندو بھائی خواہ مجھے طرفدار ہی کہیں، لیکن میں اپنے تجربوں اور مشاہدوں اور دلائل کی بنا پر یقین رکھتا ہوں کہ جس طرح ہندوؤں کی یہ شکایت ایک حد تک صحیح ہے کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں ہندوستان سے محبت کم رکھتے ہیں اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ ہندو بھائیوں میں بھی ایک فرقہ ہے، جو مسلمانوں کو اپنے ملک کے قومی افراد اور ہندوستانی جزو عنصر ماننے کو تیار نہیں ہے، وہ ہندوستانی اور ہندو کے معنی ایک سمجھنا چاہتے ہیں، ہندوؤں اور مسلمانوں کی تاریخ اسکی گواہ ہے کہ مسلمان ایسی قوم ہیں، جو ہمیشہ سے غیر قوموں سے تعلقات، معاہدے اور وابستگی میل جول رکھتے رہے ہیں، لیکن ہندو اپنی پوری تاریخ میں، اپنی قدامت پسندی، غیروں سے الگ تھلگ، دوسری قوموں سے بے تعلق اور متنفر رہتے آئے ہیں، اس کا اثر یہ ہے کہ مسلمان ہر حصۂ زمین میں ہمسایوں اور دوسری قوموں سے مل جل جاتے ہیں، لیکن ہندوؤں کی عام آبادی اسی

علحدگی چھوت، اور اجتماعی پرہیز پر قائم ہے، تجربوں اور مشاہدوں کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عام مسلمان، ہندوؤں سے جس قدر جلد اتحاد کے لئے تیار ہوئے، یا ہو سکتے ہیں، نہ ہندو ہوئے نہ ہو سکتے ہیں، ہمارا یقین ہے کہ اگر آج ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد اُلٹی ہوتی، یعنی جو ہندوؤں کی تعداد ہے وہ مسلمانوں کی ہوتی اور جو مسلمانوں کی ہے وہ ہندوؤں کی ہوتی، تو مسلمان ہرگز بنیوں کی طرح فیصدی کے فلسفہ پر اس درجہ مصر نہوتے اور تنگ نظری سے وہ پورے ملک کی آزادی کے مقابلہ میں چند نوکریوں اور چند نمایندگیوں کی کثرت و قلت کی پرواہ نہ کرتے، جیسا انکا یہ اصول ہم کو مصر و شام و تونس کے کثیر التعداد مسلمانوں کے اس برتاؤ میں نظر آرہا ہے جو وہ اپنے عیسائی و یہودی ہموطنوں کے ساتھ برت رہے ہیں،

ہندو ہموطنوں کو یہ یقین کرنا چاہیئے، کہ مسلمان اس وقت تک اتحاد پر قائم و مضبوط نہیں رہ سکتے جب تک ان کو یقین نہ ہو کہ انکی اسلامی قومیت، اور ان کا مذہب اور ان کے حقوق ہندوؤں کے ہاتھوں سے محفوظ ہیں، اور رہیں گے، بلکہ وہ خود انکی حفاظت کریں گے، ہندو اکابر کا اس واہمہ سے خوف کھانا کہ مسلمان اپنے سرحد پار یا غیر ملکی مسلمانوں کو اس ملک میں دعوت دیں گے، بالکل بے جا ہے، ۲۲ کروڑ انسانوں کا ڈیڑھ کروڑ افغانوں سے خوف، تعداد اور مردم شماری کے فلسفہ کے خلاف ہے، ہمارے اہل وطن یقین کریں کہ ہندوستان کے مسلمان کبھی ایسی نامردی نہیں کرینگے، بلکہ وہ اپنی حفاظت خود کرینگے اور اپنی حفاظت کیلئے دوسروں کا سہارا تلاش کرنے پر مجبور نہ ہونگے، اس لئے ہندو بھائیوں سے یہ توقع ہے، کہ اگر وہ حقیقت میں ملک کی آزادی کے خواہاں ہیں تو خود ان کو اس بڑے کام کے لئے چھوٹی چھوٹی باتوں میں زیادہ تنگ نظری سے کام نہ لینا چاہیئے، بلکہ انکو خود مسلمانوں کے ساتھ اس قدر رواداری اور بے تعصبی برتنی چاہیئے، کہ مسلمان ان سے مانوس ہوں، اور ان کے وعدوں پر اعتبار کریں، اور انکی دوستی کی پائداری پر اعتماد کر سکیں،

ورنہ ایسا نہ کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ان کو ڈھکیل کر خود اپنے دشمنوں کے کیمپ میں ان کو بھرتی کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ صورتِ حال ملک کے لئے فائدہ مند ہو گی؟

یہ ملک ہندوؤں اور مسلمانوں کا وطن ہے، انگریزوں نے اس کو اپنا وطن نہیں بنایا ہے، دنیا میں کوئی غیر سلطنت کسی غیر ملک میں ہمیشہ قائم نہیں رہی ہے، انگریزوں کے لئے فطرت کا قاعدہ، اور تاریخ کا نتیجہ بدل نہیں جائیگا، اسی کے ساتھ نہ تو ہندو مسلمانوں کو اس ملک سے نکال سکتے ہیں، اور نہ مسلمان ہندوؤں کو فنا کر سکتے ہیں، اس بنا پر ان دونوں ہمسایہ قوموں کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ آپسمیں اتحاد کو قائم رکھکر اس ملک کی فلاح و بہبود کی کوشش کریں، اور اپنی آزادی کے متخیلہ کو عملاً کامیاب بنانے کے لئے دوش بدوش سرگرمِ عمل ہوں،

اتحاد بین الفرق حضرات! ہندو مسلم کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کی مضبوطی کا راز خود ان کے درمیان باہم اتفاق و اتحاد اور رواداری ہے، تمام وہ لوگ جو قائلینِ توحید و رسالت ہیں، مشترک اسلامی مفاد کی غرض سے، ملت کے باہم مشترکہ مسائل میں اپنی وحدتِ ارادہ اور وحدتِ عمل کا ثبوت دیں، اور مختلف فیہ مسائل میں اظہار اختلاف کے لئے مناسب لب و لہجہ اور طریقۂ ادا سے کام لیں، مسلمان جس ملک میں بھی تباہ ہوے وہ حدیث مشہور کے مطابق دشمنوں کے حملوں سے نہیں، بلکہ آپس کے اختلاف سے، اس کی مثالیں تاریخ کے صفحوں میں بے شمار ہیں، عرب کا عجم سے اخراج، بغداد کی تباہی، اندلس کی بربادی مراکش و شمالی افریقہ کی تباہی اور خود ہندوستان میں انکا زوال اسی ایک سبب کا نتیجہ ہے، اس لئے اگر ہمکو اس ملک میں پوری طرح مضبوط اور محفوظ رہنا ہے، تو مشترکہ مفاد کی حفاظت کے لئے متحدہ محاذ قائم کرنا ضروری ہے، تاکہ ہم پر گذشتہ تفصیلات کے مطابق ایک جماعت اور ایک ملت کا اطلاق ہو سکے،

امارت شرعیہ یا نظم ملت حضرات! دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ ہم اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کریں

ہمارے خیالات و اعمال میں جو ایک طوائف الملوکی پیدا ہے، وہ دور ہو، حالت یہ ہے کہ ہمکو مذہبی، تعلیمی، سیاسی، اقتصادی، اصلاحی، تبلیغی ہر قسم کی ضرورتیں ہیں، اور ان ضرورتوں کے لیے ہم نے الگ الگ انجمنیں قائم کر لی ہیں جنمیں روزانہ تصادم رہتا ہے، اور ہر ایک کمی سرمایہ سے نالاں ہے، اور ہر ایک اپنی مرکزیت کے لئے کوشاں ہے ہم کو معلوم ہے کہ اونچے طبقہ کے لوگ اور اعلیٰ تعلیمیافتہ اصحاب کی جماعت اس پسردگی کے ننگ کو گوارا نہ کریگی، لیکن بہرحال ملت کی کثیر تعداد جو عام طبقوں پر مشتمل ہے، ضرور اسمیں شرکت پر آمادہ ہو گی، ہم کو ضرورت ہے کہ ہم پھر اپنی ملت و قومیت اور تنظیم کی بنیاد اپنی سیزدہ صد سالہ بنیاد پر قائم کریں اور اصلی جماعت اسلامیہ بنیں، تاکہ ہم دشمنوں کے مقابلہ میں قوت کا ثبوت دیسکیں،

ہندوستان کے ہر طبقہ کے مسلمانوں کو یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے، کہ آیندہ ہندوستان کی جو شکل و صورت بھی ہو، بہرحال یہاں کی حکومت اسلامی نہ ہو گی، بہتر سے بہتر جو صورت خیال میں آسکتی ہے وہ ایک متحدہ جمہوریت کی ہے، اس لیئے ہر حال میں مسلمانوں کے لئے ضرور ہو گا کہ اپنے قومی و مذہبی ضروریات کے اپنے آپ کفیل ہوں، اور یہی ضرورت بعینہ اس وقت بھی ہے مسلمانوں کی اسلامی و مذہبی تعلیم اون کے مدرسے، انکی مسجدیں، انکے اوقاف، انکے نکاح و طلاق، و وراثت وغیرہ قوانین و مسائل خاص محکموں کے محتاج ہیں، اور آیندہ بھی رہیں گے، اس وقت ہم جس بے نظامی اور بے ترتیبی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، وہ حد درجہ قابل افسوس ہے، نظر اٹھائیے، ہم سے کہیں کم تعداد میں مسلمان، فلپائن، اسٹریا، ہنگری، بلگیریا، زیکوسلیویا، اور یونان میں ہیں، تاہم ان کے تمام قومی و مذہبی صیغے مفتی اعظم کے تحت منتظم اور باقاعدہ ہیں، ابھی اسی دسمبر کے اخیر ہفتہ میں ریوٹر نے ہمکو مطلع کیا ہے، کہ پولینڈ کے تمام مسلمانوں نے جمع ہو کر ۳۲ ارکان کی ایک مجلس ترتیب دی ہے اور اسمیں چند کارکن منتخب ہوئے ہیں، اور ایک صدر کا انتخاب کیا ہے، تاکہ وہ اس وحدت تنظیمی کے سایہ میں اپنی اسلامی زندگی کو قائم رکھ سکیں، مگر افسوس ہے کہ اس سات کروڑ انسانوں کی آبادی پر کہ وہ اب تک وحدت مرکزی کے اصول کے سمجھنے سے قاصر ہے،

ہندوستان میں، اب، اور اسسے زیادہ آیندہ مسلمانوں کو اپنی بقا کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایک امارت شرعی کے ماتحت اپنے کو منتظم کریں تعلیمیافتہ اصحاب کو شبہ ہے کہ علمار اس پردہ میں اپنی کھوئی ہوئی وجاہت کو دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں، اس لئے یہ صاف کردینا چاہیئے، کہ اگر ٹرکی میں مصطفےٰ کمال، مصر میں سلطان فواد، عرب میں ابن سعود، ریف میں محمد بن عبدالکریم ریاست اسلامی کا دعوی کر سکتے ہیں اور ہم لوگ اسکو قبول کرنے کو تیار ہین، تو کوئی وجہ نہین کہ ہم ہندوستان مین ایک غیر مسلح اہل اور صاحب لیاقت قائد کے ہاتھ پر بیعت نہ کرسکین، اس کے لیے باقاعدہ بوریا نشین عالم ہونے کی ضرورت نہین، صرف اسکے دل کو اسلام سے آشنا ہونے کی حاجت ہے، اسکے لیے اپنے مذہب اور مذہبی احکام سے ایک حدتک واقف ہونے کی ضرورت ہے، اس قائد کے ماتحت ایک منتخب مجلس شورٰے ہو، اسکے ماتحت تعلیم و تبلیغ، تالیف و اشاعت سیاست، اصلاحات، غیر ملکی تعلقات، مالیات کے مختلف شعبے ہون، ہر ایک شعبہ کا ایک ایک علٰحدہ مدیر و ناظم ہو، تمامی محاصل و زکوٰۃ ایک جگہ جمع ہو کر ضروریات پر تقسیم ہون، اور اسی اصول پر صوبون کی امارتین ہون، اور ان کے ماتحت اضلاع کی و علیٰ ہذا القیاس، اسی کے ماتحت نکاح، و طلاق و وراثت وغیرہ کے محکمے ہون، دارالافتا ہون، جہان سے جدید ضروریات کے متعلق فتوے صادر ہون، اور سارے ملک مین اس مسئلہ مین جو بے ترتیبی ہے وہ دور ہو،

چند سال پہلے جب اس کے لئے موسم مناسب تھا محض اسلیے بعض اکابر نے اس سے پہلو تہی کی کہ تمام مسلمان اُس پر متفق نہین ہو سکتے، اسلیے جب تک اتفاق عام نہ ہو جائے، اسکو قائم نہ کیا جائے، میری رائے مین حد درجہ غلطی ہے، یہ ناممکن ہے کہ کسی طاقت کے بغیر تمام مسلمان از خود ایک مرکز پر متفق ہو جائین، اسلیے اس خیال خام سے ہٹکر، ہم کو صرف یہ کرنا چاہیئے کہ صوبون مین اسکے متعلق کوششین کرین، جن صوبون مین مسلمان بالکل صفر ہین، جیسے مدراس، ممالک متوسطہ وغیرہ، وہان اسکی سب سے پہلے ضرورت ہے، اور جس قدر مسلمان بھی اس مسئلہ پر متفق ہو سکین اور اس تحریک پر آمادہ ہو سکین،

ان کو ساتھ لیکر آگے بڑھنا چاہیئے، آیندہ اس سلسلہ کی خود وسعت ہوتی رہے گی، تاآنکہ کسی وقت تمام مسلمان اس حلقہ مین آجائین، اسلام کے عقیدہ مین نظم وجماعت کے بغیر ہم صحیح اسلامی زندگی پر یقیناً قائم نہین ہین، کہ نصب الامامة واجب!

جو لوگ اس حقیقت کی تسلیم سے اختلاف کرتے ہین، کیا وہ امامت کے اصولی مسئلہ پر اعتقاد نہین رکھتے، کیا ان کے نزدیک مسلمانون کی اتنی بڑی آبادی مین کسی امامت کی ضرورت نہین، یہ کہنا کہ امامت کیلیئے نفوذ واقتدار ضروری چیز ہے، صحیح ہے، لیکن یہ کامل امامت کی شرط ہے، مسئلہ کی صورت تو یہ ہے کہ اگر مسلمان کسی امر واجب کے ادا کرنے کی کماحقہ اور اس کو پورے شرائط کیساتھ ادا کرنے پر قادر نہین ہے، تو آیا وہ واجب اس سے ساقط ہوجائے گا، یا حسب استطاعت جہان تک اسکی وسعت وقدرت مین ہو اسکو ادا کرنا ضرور ہے، نماز کے لیے قیام وقعود اور قرآن پڑھنا تو ضروری ہے، لیکن اگر کوئی بیمار یا اپاہج یا گونگا اس پر قدرت نہ رکھے تو اس سے نماز ساقط ہوجائے گی، یا نماز واجب رہے گی، اور اسکو ادا کرنا اسکی طاقت اور وسعت کے مطابق فرض ہوگا، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا،

حضرات! سوال یہ ہے کہ آیا ہر ناحیۂ بعیدہ کی امت پر اپنے اپنے ناحیہ مین نصب امامت واجب ہے یا نہین، اگر ہے تو اس بنا پر کہ اس کے نفوذ واقتدار وغیرہ کے شروط پورے نہین ہوسکتے وہ واجب اس سے ساقط ہوجایگا، یا جس طرح جس حد تک، اور جس صورت تک ممکن ہوگا، اس کا ادا کرنا ضروری ہوگا، مسلمانون کی تاریخ مین کیا ایسے واقعات نہین کہ انھون نے اپنی محکومی اور عدم استطاعت کی حالت مین بھی ایک نوع کی تنظیمی مرکزیت قائم رکھی، چھٹی صدی مین جب کافر تاتاریون نے ایران وخراسان وترکستان وعراق پر قبضہ کرلیا تو کیا علمائے وقت نے اسکے لیے مسلمان والی کے مطالبہ کا مسئلہ پیش نہین کیا، جو آج ہماری کتب فتاوی کا ایک باب ہے، اس وقت بھی جب مسلمانون کا اوج اقبال تھا، تجارتی ضرورتون سے انکو دوسری غیر اسلامی سلطنتون مین آمد ورفت اور سکونت اختیار کرنی پڑتی تھی، لیکن انکی اسلامی تنظیمی وحدت کا سررشتہ یہان بھی ان کے ہاتھ

سے نہین چھوٹتا تھا، تیسری صدی ہجری مین مسلمان تاجرون کی نوآبادی چین کے شہر خانفو مین تھی، مگر وہ کس طرح رہتے تھے، اوران کے احکام و معاملات کیونکر فیصل پاتے تھے، سلیمان تاجر اپنے تیسری صدی ہجری کے سفرنامہ مین لکھتا ہے،

ان بخانفو وھی مجمع التجار رجلا مسلما یولیه صاحب الصین الحکم بین المسلمین الذین یقصدون الی تلك الناحیة یتوخی ملك الصین ذلك واذا کان فی العید صلّی بالمسلمین وخطب ودعا لسلطان المسلمین وان التجار العراقیین لا ینکرون من ولایته شیئا فی احکامه وعمله بالحق وبما فی کتاب الله عزوجل واحکام الاسلام

(ص ۱۴ مطبوعہ پیرس ۱۸۱۱ء)

شہر خانفو (چین) مین جو (مسلمان) تاجرون کا مرکز ہے ایک مسلمان ہے جسکو شاہ چین ان مسلمانون کے درمیان فصل احکام کے لیے مقرر کرتا ہے جو اس ملک مین جاتے ہین، شاہ چین اوسکو چاہتا ہے، اور عید جب آتی ہے تو وہ مسلمانون کی نماز کی امامت کرتا ہے، اور خطبہ پڑھتا ہے، اور بادشاہ اسلام کیلئے دعا کرتا ہے، اور عراقی تاجر اسکی ولایت کے احکام اور حق کے ساتھ اور کتاب الٰہی اور احکام اسلامیہ کے ساتھ اسکے جاری کردہ حکمون سے سرتابی نہین کرتے،

عراقیون کی فارسی زبان مین اس مسلمان والی، یا قاضی کا نام ہنرمند تھا، جو عام استعمال مین ہُنَرمَن بولا جاتا تھا، خود ہندوستان کے مختلف ساحلی شہرون مین جہان جہان مسلمان آبادیان تھین، یہ ہنرمند غیر اسلامی سلطنتون مین اسلامی تنظیم و قضا کے ذمہ دار نظر آتے ہین،

چوتھی صدی ہجری کے جہاز ران بزرگ بن شہریار اپنے سفرنامہ عجائب الہند میں صیمور (مدراس کے قریب) میں عباس بن ماہان سیرافی ہنرمند کا تذکرہ کرتا ہے،

انه کان بصیمور رجل من اهل سیراف یقال له العباس بن ماهان وکان هنرمن المسلمین بصیمور ذو وجاهة البلد والمتضوی الیه من المسلمین (صفحہ ۱۴۲ برل)

صیمور مین سیراف کا ایک شخص تھا جس کو عباس بن ماہان کہتے تھے اور جو وہان مسلمانون کا ہنرمند تھا اور شہر کا ذی وجاہت اور وہان کے پناہ گزین مسلمانون کا مرکز تھا،

وہاں کا راجہ مسلمانوں کے متعلق اسی کے فتوی پر فیصلہ کرتا تھا، اسی مقام میں سنہ۳۰۴ھ میں مشہور سیاح مسعودی پہونچتا ہے، وہ کہتا ہے:-

علی الھنرمنة یومئذ ابو سعید معروف بن زکریا، والھنرمنة یراد به رئیس المسلمین وذلک ان الملک یملک علی المسلمین رجلا من رؤسائھم تکون احکامھم مصروفة الیه	ہنرمندی کے منصب پر ان دنوں ابوسعید معروف بن زکریا تھا اور ہنرمند سے مراد رئیس المسلمین ہے، اور اسکی صورت یہ ہے کہ راجہ مسلمانوں پر ان کے رئیسوں میں سے ایک کو افسر بنا دیتا ہے مسلمانوں کے تمام مقدمات و احکام اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں

(مروج الذہب مسعودی ۱ صفحہ ۳۸۳)

حضرات! یہ تو گذشتہ عہد کا بیان تھا، آج بھی مسیحی طاقتوں کے ماتحت جہاں مسلمان آباد ہیں، کسی نہ کسی حیثیت سے اس قسم کی تنظیم جاری ہے، ابھی نو پید املاک پولینڈ کے مسلمانوں کی مجلس کا ذکر کر چکا ہوں، بولشویک روس میں بھی مسلمان قازان کی مجلس دینیہ اسلامیہ کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں، خود ہندوستان میں سلاطین کے عہد میں صدر جہاں کے نام سے اس قسم کا عہدہ قائم تھا جس کے ماتحت تمام قضاة و محتسب و ائمہ ہوتے تھے، تاتاری کافروں کے استیلاء کے زمانہ میں اس عہد کے علماء نے اسی بنا پر "مسلمان والی" کے پہلو پر زور دیا، ممکن ہے کہ بعض اصحاب گذشتہ مثالوں کو سامنے رکھکر یہ کہیں کہ اس کے لئے حکومت مسئولیہ کی حمایت و منظوری ضروری ہے تاکہ یہ منصب صاحب نفوذ و اقتدار ہو سکے اگر اس قسم کے معترضین کی اصلی غرض یہی ہے تو ان کو اصل مسئلہ کے انکار کے بجائے صاف صاف اپنی اس نیت کا اظہار کر دینا چاہیئے، ہمارے نزدیک تو مقصود مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا ہے، اور وہ ان کے گلے میں ایک اور طوق کے اضافہ سے ممکن نہیں، اس مسئلہ کے شرعی پہلو پر امارت شرعیہ بہار نے اسقدر مواد فراہم کر دیا ہے، کہ شک کی مزید گنجایش نہیں،

حضرات! اس قسم کے نظم ملت سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کی وحدت ملی نمایاں ہو، ان کے تمام مذہبی و ملی کام منتظم ہوں، انکی ضرورتیں پوری ہوں، ان کے مصارف و مداخل ملی میں ایک تنظیم پیدا

ہو، اور اصلی جماعتی روح ہمین نمایاں ہو، دار الافتاء، دار القضاء اور بیت المال کا قیام ہو، ان کے غریبوں اور محتاجوں کی باقاعدہ امداد ہو، اونکی معاشرتی خرابیوں کی اصلاح ہو، تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ قائم ہو، اُن کے مکاتب و مدارس مالی نزع سے نجات پائیں،

اس نظم ملت کے نہونے کی وجہ سے مسلمانون کے تمام اعلیٰ و ادنی طبقے نکاح و طلاق و وراثت کی سخت معاشرتی مشکلات مین ہین آجکل آپ میں سے جن اصحاب کے پاس ملک کے اطراف سے فتوے آتے ہوں وہ گواہی دیں گے کہ اعلیٰ طبقہ کی عورتیں خلع کے رواج پذیر نہونے کے باعث کس قدر مصیبت مین ہوتی ہین، ظالم شوہروں سے نجات پانے کیلئے انتہا یہ ہے کہ اعلیٰ خاندان کی عورتیں شومی قسمت سے تبدیل مذہب تک کی جرأت کر لیتی ہیں، نیچے طبقہ کی مسلمان عورتوں میں فوری و بدعی طلاق کی صورتیں، مفقود الخبری، عدم ادائے نفقہ اور فسخ نکاح کی متعدد صورتیں پیش آتی ہیں جنکے علاج سے ہم اس نظم و امارت کے بغیر قطعاً مجبور ہیں، کیا امت محمدیہ کی یہ حالت علمائے کرام اور مسلمانوں کی توجہ کے لائق نہیں، اوقاف کی بے ترتیبی مساجد کی کس مپرسی، اماموں کی جہالت، اصلاح کی محتاج نہیں،

مسلمانوں میں شادی بیاہ کے مراسم مشرکانہ افعال اور سوء اعتقاد کی ظاہر مثالیں ہم کو ادائے فرض کی دعوت نہیں دیتیں؟ مسلمانوں کی اقتصادی بربادی سب سے زیادہ توجہ کے لائق ہے، جسکا بڑا سبب علاوہ دیگر خلاف شرع اعمال کے یہ مراسم بھی ہیں، ہمارے صوبہ بہار میں آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے ۱۴/ زمینداری مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور آج انھیں فضول خرچیوں کی بدولت ۱۴/ دوسروں کے ہاتھ میں ہیں، دو آنے ان کے ہاتھ میں ہیں، اسی لئے ضرورت ہے کہ جدید اقتصادی و مالی مشکلات پر شرعی حیثیت سے علماء غور کریں، اور جدید اقتصادی و مالی صورتوں میں جس صورت کا جو حل اور جواب ہو، اسکی اشاعت کی جائے، سب سے زیادہ پر شور مسئلہ آجکل ہندوستان میں اخذ ربا کا ہے، نیز سرکاری بنکوں، ڈاکخانوں اور کوآپریٹیو سوسائیٹیوں سے اخذ منافع کا ہے، نقدین کا کاروبار مسلمان نہیں کرتے کیا اسکی طرف توجہ کی ضرورت نہیں، تجارتوں کی طرف مسلمان ملتفت نہیں، اسراف انکا خاص امتیاز

سے ہے، یہ تمام باتیں علماء کے طے کرنے اور جمعیۃ العلماء کے حل کرنے کی ہیں، اور نظم ملت کے فرائض میں ہیں، مسلمان قوموں کے لئے یہ امر کس درجہ باعث شرم ہے کہ انکی برادری میں بعض ایسی قومیں اور ایسے خاندان بھی ہیں جو وراثت کی نص صریح سے روگرداں ہوکر رواج کو اپنا قانون بنائیں، اور علانیہ ایک عدالت میں مسلمان اپنی قومیت بتاکر پھر یہ کہیں کہ قرآن پاک ہمارا قانون نہیں، بلکہ خاندانی رواج ہمارا قانون ہے، پنجاب اور بمبئی کی بعض مسلمان قوموںنیں ہندو قانون کی پیروی کس درجہ افسوسناک ہے، لڑکیوں کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھنا جاہلیت کا وہ طریق ہے جس کے مٹانے کے لئے سرکار عالم محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت ہوئی، بمبئی کے کچھ میمنو میں اور بعض دوسری قوموںنیں افسوس ہے کہ اس جاہلیت کی رسم پر اب تک عمل درآمد ہے، اور سب سے زیادہ یہ سنکر مجھکو افسوس ہوا ہے کہ پونہ کے بعض بنے ہوئے مولویوں نے ایسے ظالموں کی حمایت میں کچھ مسئلے گھڑے ہیں، انا للہ،

حضرات! ہندوستانی مسلمانوں کو دشمنوں کے معنوی حملوں سے بچانے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں ہے کہ ناقص مسلمانوں کو کامل مسلمان بنایا جائے، شدھی کے روکنے کے لئے یہی تدبیر ہے کہ دیہاتوں، دور و دراز علاقوں اور خاص نومسلم رقبوں میں بکثرت مذہبی مکاتب جاری کئے جائیں، غور فرمایئے کہ ایک مسلمان کو نامسلمان بنانا یہی ہے کہ اس کو علم اسلام سے آگاہ نہ کیا جائے، اگر مسلمانوں کا کوئی رقبہ مذہبی تعلیم سے سراسر ناآشنا ہے، تو وہ بظاہر جو کچھ ہو عملاً وہ گویا مسلمان نہیں، اور اُسمیں اور اس کے ہمسایہ ہندوؤں میں چنداں فرق نہ ہوگا، اس لئے کیا تعلیمی، کیا اصلاحی اور کیا تبلیغی ہر حیثیت سے دیہاتوں میں مسلمانوں کو مذہبی جہالت سے نکالنا سب سے بڑا فرض ہے،

ایها السادة ! اسی سلسلہ میں جمعہ کے خطبوں کی اصلاح بھی اشد ضروری ہے، اہل حدیث اصحاب اور بہت سے علماء نے تو اُردو زبان میں خطبہ دینے کے جواز کو تسلیم کر لیا ہے، تاہم اب بھی بہت سے علما کو صرف اردو زبان میں خطبہ دینے میں تامل ہے، اگر اتنا بھی تسلیم کر لیا جائے کہ عربی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی

جائز ہے، تو بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے، کسی اختلافی مسئلہ کو چھیڑنے کا جرم عائد نہ کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے، کہ غیر مجوزین کے پاس سوائے عمل سلف کے غیر عربی زبان میں خطبہ کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں، عمل سلف کے استدلال کے متعلق عرض ہے کہ طریق سلف کے مطابق خطبہ میں حسب ذیل خصوصیتیں ہوتی تھیں، وہ عربی زبان میں ہوتا تھا، وہ زبانی پڑھا جاتا تھا، کسی کتاب میں دیکھکر نہیں پڑھا جاتا تھا، اسکی صورت تلاوت اور قرأت کی نہ تھی بلکہ مختصر زبانی تقریر کی ہوتی تھی، اس میں آیات و احادیث کے التزام کے ساتھ مسائل حاضرہ و متجددہ پر مسلمانوں کو فہمائیش ہوتی تھی، ایک ہی خطبہ کسی کا لکھا یا رٹا ہوا صدیوں تک نہیں پڑھا گیا، وہ سلاطین کی زمانہ کی مدح و ستائیش سے پاک ہوتا تھا، اس میں تغنی نہیں ہوتی تھی، وہ مقفی و مسجع بے معنی عبارت نہیں ہوتی تھی، مگر ان تمام خصوصیات کو تو بلا نکیر ترک کر دینا، اور محض حرف عربی کی خصوصیت پر زور دینا قرین صواب نہیں، اگر عربی کی قید نہ رہے تو حصول فوائد کے علاوہ ایک "بدعت" کو قبول کر کے متعدد بدعات سے ہم محفوظ ہو جائیں گے جمعیۃ العلماء کی تجویز میں یہ چیز بھی آنی چاہیئے کہ وہ سال بسال اماموں کی ہدایت کے لئے مختلف خطبے جو ضروری و پیش آمدہ ضروریات پر مبنی ہوں شائع کرتی رہے، اسی طرح قرآن مجید جو تمام دنیا کے لئے آیا ضرورت ہے کہ اس کے ترجمے تمام دنیا کی زبانوں میں ہوں تا کہ قرآن بلسان قومہ ہو کر رب کی ہدایت کو ہر جگہ عام کر دے، خدا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اور ان کے خاندان پر رحمت بھیجے جنھوں نے فارسی و اردو ترجمہ کر کے اس مسئلہ کو علمائے خلف کے اختلاف آرا سے بچا لیا، مصر و ٹرکی میں ابتک قرآن پاک کے جواز ترجمہ اور عدم جواز میں معرکۃ الآرا بحثیں پیش ہیں، لیکن اے صاحبو! اسی کے ساتھ اس فتنہ کو بھی روکنا چاہیئے جو آجکل ہندوستان میں عام ہو رہا ہے، کہ ہر اہل و نا اہل تجارتی اغراض سے ایک نئے ترجمہ کی بدعت میں گرفتار ہے، ان ترجموں میں باہم اس درجہ اختلاف ہے، کہ خدانخواستہ اگر اصل بحکم وانا لہ لحافظون، محفوظ نہ ہو تو تحریف کے عملی گناہ سے مفر نہیں، یہاں تک کہ بعض جاہل و طامع تاجروں نے قرآن پاک کے منظوم ترجمے بھی

جرأت کی، مگر افسوس ہے کہ ہم اپنی شرعی امارت ونظم ملت نہ ہونے سے اس کا کوئی علاج نہین کر سکتے،

اس کے ساتھ قرآن پاک کی طبع واشاعت کی احتیاط کا بھی سوال ہے، ہمارے نزدیک تو قرآن پاک کو غیر اسلامی مطابع مین چھپنے کے قانونی مسئلہ پر زور دینا چاہیئے، اسی کے ساتھ مطابع اور اسلامی مطابع تک کی جسمین سب سے آگے لاہور کے مطابع ہین. قرآن پاک کے اعراب والفاظ وغیرہ کی تصحیح مین بے پروائی سخت افسوسناک ہی، ہمنے چند قرانونکو ایک ساتھ ملاکر دیکھا تو ہر صفحہ مین غلطیان نظر آئین، پشاور کے ایک بزرگ نے اس قسم کی غلطیون کی مثالین چھاپکر شائع کی ہین، اور افسوس ہے کہ صاحب مطبع ہونے کی بنا پر اس گناہ مین ہم بھی کسیقدر شریک ہین، مصر وترکی مین قرآن پاک کی تصحیح مین سرکاری طور سے اس قسم کی تصحیح اور صحیح قرآن چھاپنے کی کوشش کیجاتی ہے، ابھی حال مین اس ترکی نے جسکو شاید بہت سے لوگ بیدین ترکی کہنے کو تیار ہو جاتے ہین اس نے خاص اپنی نگرانی مین قرآن پاک کی اشاعت کی،

حضرات! جب یہ سطرین زیر تحریر تھین، مصر سے ایک نئی تالیف نقض کتاب الاسلام واصول الحکم محمد خضر حسین سابق مدرس جامع زیتونہ وقاضی محکمۂ شرعیہ تونس کی موصول ہوئی جسمین مصنف قاضی عبدالرزاق مصری کی کتاب الاسلام واصول الحکم جسکے فتنہ کا ذکر پہلے آچکا ہے، نہایت شافی وکافی جواب دیا گیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام اور سیاست کبھی مذہباً الگ نہین ہو سکتے، اور اسلامی قوانین کی بنیاد شریعت پر رکھی جا سکتی ہے نہ کہ رومن لا اور قوانین یورپ پر، جزاہ اللہ خیر الجزاء ضرورت ہے کہ ہماری جمعیۃ العلماء بھی اس بارہ مین مصر وتونس کے علمائے حق کی تائید اور مخالفین سے اپنی برأت ظاہر کرے،

آخر مین ایک چیز کی طرف مجھکو اور مسلمانون کو متوجہ کرنا ہے، اور وہ دار الاسلام ہے مدت سے یعنی ۱۹۰۹ء سے جب مین ندوۃ العلماء کے صیغۂ اشاعت اسلام کا نائب ناظم تھا، یہ خواہش میرے دل میں ہے کہ نو مسلمون کے قیام وتعلیم وتربیت کے لیے کوئی خاص جگہ بنائی جائے، جسکا نام دار الاسلام ہو، جسطرح یتیم خانے آپنے قائم کیے ہین، نو مسلم خانے بھی آپ قائم کیجئے، عہد حکومت مغلیہ مین دارونغہ جدید الاسلام کے نام سے ایک عہدہ

تھا تو مسلمون کی غور و پرداخت وغیرہ اوسکا فرض تھا، اوسکو بہت سی سرکاری امانتین ملتی تھین، آجکل جو لوگ اسلام قبول کرتے ہین انکی بہت بری حالت ہوتی ہے، اسلام کے بعد سب سے پہلی تعلیم جو انکو دی جاتی ہے وہ گداگری کی ہے، کیا یہ اسلام کے شایان شان ہے! زکوٰۃ کے مصارف مین اللہ تعالی نے ایسے لوگون کا ایک حصہ رکھا ہے، اور اس مد سے باقاعدہ اسکے لیے مصارف ادا ہوسکتے ہین، پھر بتدریج یہ بھی ضروری ہے کہ ملک کے مختلف خاموش اطراف مین اس قسم کے متعدد دارالاسلام قائم ہون، جہان ایک سے دوسری جگہ نو مسلم حسب حال منتقل ہوسکین، اور وہان وہ کچھ اسلامی تعلیم اور کوئی حرفت سیکھین، یا مسلمان زمیندار انکو کاشتکاری کے کامون مین لگائین، غور کیجئے کہ اس وقت چھوٹی چھوٹی صنعت و حرفت کے تمام کام دیسی عیسائیون کے ہاتھون مین ہین، علاقہ ترہت کے راج مین جسقدر دیسی عیسائی ہین وہ بڑھئی اور لوہار کے کام سے بخوبی اپنی پرورش کر رہے ہین، پونہ، لاہور، لکھنؤ وغیرہ بڑے شہرون مین جلدسازی، چھپائی، اور اسٹیشنری کے متفرق کام انکو سکھائے جاتے ہین، کیا آپ ایسا نہین کرسکتے،

حضرات! ابھی تو کہنے کی بہت باتین ہین، خوشنما تجویزون کا ایک انبار لگایا جاسکتا ہے، لیکن جب یہ خیال آتا ہے کہ ہم کو کہنے کی جسقدر قوت ہے افسوس اوس قدر کرنے کی نہین تو وعید لم تقولون ما لا تفعلون سے ڈر معلوم ہوتا ہے!

فلو ان قومی انطقتنی رماحهم

اگر میری قوم کے نیزے مجھے نطق بخشتے تو مین بولتا

نطقت ولکن الرماح اجرت

لیکن افسوس کہ انھون نے میری زبان بند کردی ہے

ونسأل اللہ التوفیق لما یحب ویرضی والعاقبة للتقوی